مارچ ۱۹۷۹ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ **میثاق** لاہور

جلد ۲۸ | مارچ ۱۹۷۹ء | عدد ۳

مشمولات

			صفحہ
★	عرض احوال	ڈاکٹر اسرار احمد	۱
★	تفسیر سورۂ انفال : نشری تقاریر	" " "	۵
★	اسلام کا نظام محاصل	" " "	۳
★	مآثر جمیلہ حضرت ابوبکر صدیق رض ...	شاہ ولی اللہ دہلوی رح	۳
★	سیرت صدیقی رض کے عناصر ترکیبی	ڈاکٹر اسرار احمد	۷

مدیر مسئول :

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات :

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور

فون : (852683 - 852611)

سالانہ چندہ ۲۰/- ——— فی پرچہ [illegible]

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسرار احمد

عرضِ احوال

گزشتہ شمارے میں یہ بات تفصیل کے ساتھ عرض کی جا چکی ہے کہ کیسے راقم الحروف پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ قرآن کے پیغام یا اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کا سہل اور عام فہم طریق سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا واقعاتی بیان ہے ـــــ اس ضمن میں اگرچہ یہ صراحت بالکل واضح الفاظ میں کر دی گئی تھی کہ باقاعدہ 'عید میلادُ النبیؐ' منانا ہمارے نزدیک یقیناً 'بدعت' میں شامل ہے (اس موضوع پر بعد میں سعودی عرب کے مفتیٔ اعظم شیخ عبدالعزیز ابن باز مُدّ ظلّہ کا ایک فتویٰ بھی نظر سے گذرا جس میں اس رائے کو مُدلّل طور پر پیش کیا گیا ہے!) تاہم اس سال جب یہ 'عید میلادُ النبیؐ' سرکاری سطح پر باقاعدہ 'جشن' کے طور پر منائی گئی اور جملہ سرکاری و نیم سرکاری اداروں میں 'سیرتُ النبیؐ' کے اجتماعات منعقد ہوئے تو ابلاغ و تبلیغ کے اعتبار سے اِن کی اہمیت کے پیشِ نظر راقم الحروف نے بھی اِن میں اپنی طاقت اور وسعت سے بڑھ کر حصّہ لیا ـــــ چنانچہ اب جو اپنی ڈائری پر نظر ڈالی تو ایک حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ ۲۹-جنوری سے ۷-مارچ تک اڑتیس [۳۸] دنوں میں راقم نے پوری ۳۸ تقریریں سیرتُ النبیؐ کے موضوع پر کیں اور اس میں ایک عجیب توازن یہ رہا کہ اُنیس [۱۹] تقریریں لاہور میں ہوئیں اور اُنیس [۱۹] ہی بیرونِ لاہور- اور مزید اللہ کا فضل و کرم یہ کہ اس دوران میں دروسِ قرآن و خطباتِ جمعہ کے معمولات میں بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا-

؎ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ٭ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اگرچہ اس کا یہ نتیجہ بہرحال نکلا ہے کہ اعصاب بالکل جواب دے گئے ہیں اور طبیعت میں ایک شدید ردِّ عمل پیدا ہوا ہے کہ کچھ عرصے کے لئے تقریروں کا سلسلہ بالکل بند کر دیا جائے اس لئے کہ اس دوران میں ایسا بھی ہوا کہ مثلاً جمعہ ۹/ فروری کو راقم نے پہلے مسجدِ شہداء میں معمول کے مطابق دو گھنٹے درسِ قرآن دیا، پھر مسجدِ دارالسلام میں خطبۂ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی، جس میں لگ بھگ ایک گھنٹہ ہو جاتا ہے۔ پھر تین بجے سہ پہر پاک اسکاؤٹس گروپ کے 'اجتماع' میں شرکت کی اور وہاں بھی تقریباً پون گھنٹے کا خطاب ہوا پھر وہیں سے فیصل آباد روانگی ہو گئی جہاں بعد نمازِ عشاء لگ بھگ دو گھنٹے کی تقریر یونیورسٹی کے سینٹ

ہال میں ہوئی اور پھر راتوں رات ہی وہاں سے لاہور واپسی ہوئی ـــــ اور اس طرح صبح ۹ بجے سے نکلا ہوا راقم دو بجے رات گھر واپس پہنچا ـــــ اسی طرح جمعہ ۱۷ فروری کو مسجد شہداء کے درسِ قرآن اور مسجد دارالسلام کے خطبہ و نمازِ جمعہ کے بعد سہ پہر کی فلائٹ سے کراچی جانا ہوا اور وہاں بھی ایئرپورٹ ہی سے سیدھے حیدرآباد روانگی ہوگئی جہاں بعد نمازِ عشاء سوا دو گھنٹے کے خطاب کے بعد پھر راتوں رات ہی کراچی واپسی ہوئی ـــــ یعنی صبح کے تین بجے!! وَقِس علیٰ هٰذا -

اِس ضمن میں اپنے لاشعور اور تحت الشعور کو خدا کے حوالے کرتے ہوئے (اس لئے کہ اس میدان میں تو "وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ!" کی رُو سے سوائے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دامن تھامنے کے اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہے!) ـــــ اپنے شعور اور ارادے کی حد تک راقم کو پورا اطمینان ہے کہ بحمد اللہ راقم کے پیشِ نظر سوائے اِس فریضۂ تبلیغ قرآن کے کوئی اور مقصد بالکل نہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر اُمتی پر حسبِ صلاحیت و استعداد عائد ہوتا ہے اور جس کی وسعت کو آپؐ کے اس قولِ مبارک نے اُمت کے ہر ہر فرد تک ممتد کر دیا ہے کہ: "بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً!" (یعنی پہنچا دو میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت ہو!) اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ راقم نے جب بھی اپنے دل و دماغ کو ٹٹولا تو جتنی گہرائی تک نظر جا سکی نہ حصولِ شہرت کا کوئی جذبہ کارفرما نظر آیا نہ جاہ و حشمت کی کوئی طلب! بلکہ اِس کے برعکس یہ صورت نظر آئی کہ گذشتہ ماہِ رمضان کے روزانہ ٹی وی پروگرام کے باعث جو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی، اور اب اِن تقاریر کے بعد جو اظہارِ محبت و عقیدت سامعین کی جانب سے ہوا، اُس پر طبیعت نے مسرت یا کیف و سُرور کے بجائے الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ انقباض محسوس کیا اور اِس صورتِ حال کو اپنے لئے ایک فتنہ و امتحان جانا۔ یہاں تک کہ کئی بار جی میں آیا کہ اِس سلسلے کو بالکل بند کر دیا جائے، لیکن ساتھ ہی ہر بار یہ حقیقت سامنے آ کھڑی ہوئی کہ جو بھی تھوڑی بہت اور بری بھلی قوتِ بیان حاصل ہے وہ اللہ کی عطا کردہ بھی ہے اور امانت بھی، اور اگر اُسے اُسی کے کلام کے اِفشار و اشاعت اور اُسی کے دین کے پیغام کے ابلاغ و تبلیغ میں صرف کر کے ع: "جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی!" والا معاملہ نہ کرو تو اللہ کو کیا جواب دو گے؟ ـــــ خالص جسمانی صحت کے اعتبار سے بھی معاملہ بے حد تشویش انگیز رہا۔ زیادہ بولنے سے STRESS کے باعث گلے میں جو INFECTION بار بار ہوئی، اُس کے دفعیہ کے لئے اس ایک ماہ کے دوران ایک سَو سے زائد کیپسول ٹیٹراسائی کلین

کے اور تین شیشیاں ۱ میپی سلین کی حلق سے اُتارنی پڑیں اور اس کے باوجود گلے کی سوزش اور ورم کے فوری ازالے کے لئے گاہے گاہے "BETNELAN" کا سہارا لینا پڑا۔ راقم بخوبی جانتا ہے کہ یہ ادویات کتنی مضر ہیں لیکن پھر وہی بات سامنے آتی رہی کہ ؎

" تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ ✤ کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں!"

آخر جسم و جان کا اور مصرف ہے ہی کیا؟ —— اور یہ اگر اسی کام میں کھپ جائیں تو اس کے سوا اور مطلوب ہی کیا ہے؟ —— متعدد بار ایسا بھی ہوا کہ فون پر کسی ادارے کی جانب سے تقریر کی دعوت ملی اور راقم نے اپنی طبیعت کی ناسازی کے پیشِ نظر معذرت کر دی لیکن پھر جب اسی ادارے کے چار پانچ حضرات وفد کی صورت میں تشریف لے آئے اور ان کی جانب سے شدید اصرار ہوا تو مجبوراً حامی بھرلی اور متذکرہ بالا ادویات پر مشتمل گولیوں کا ایک پھنکا حلق سے اُتار کر جا حاضر ہوا۔ الغرض معاملہ وہی رہا کہ ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا ✤ تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی

خیریتِ جاں، راحتِ تن، صحتِ داماں ✤ سب بھول گئیں مصلحتیں اہلِ ہوس کی

لاہور | لاہور میں ماڈل ٹاؤن میں اگرچہ اس سال ۷، اپریل تا ۱۶ رجون گیارہ تقاریر راقم سیرتُ النبیؐ پر کر چکا تھا، لیکن اس موقع پر حقِ ہمسائیگی کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد 'ای بلاک' میں بھی تقریر کرنی پڑی اور مسجد موضع مزھیاں میں بھی جو 'قرآن اکیڈمی' کے شمال مغرب میں یونیورسٹی ہاسٹلز کے عقب میں واقع ہے —— اِن کے علاوہ چار اور مساجد میں تقریریں ہوئیں یعنی جامع مسجد شاہ جمال کالونی، جامع مسجد پونچھ ہاؤس کالونی، مسجد المدینہ انفنٹری روڈ، مصطفیٰ آباد اور مسجد ذیلداراں، ڈھولن وال۔ ان مساجد کے علاوہ نو سرکاری محکموں یا نیم سرکاری اداروں میں تقریریں ہوئیں یعنی ۱۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان، گلبرگ III (۲) دفتر کمشنر انکم ٹیکس (۳) دفتر اے پی پی (۴) ریلوے ہیڈ کوارٹرز آفس، (۵) ایس ای واپڈا، میکلوڈ روڈ (۶) پی سی ایس آئی آر (۷) فوجی جوانوں کا ایک اجتماع (۸) پاک اسکاؤٹس گروپ (۹) دفتر اسٹیٹ لائف انشورنس،

—— مزید برآں چار تعلیمی اداروں میں حاضری ہوئی :——

(۱) خود اپنی مادرِ علمی یعنی کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج (۲) ایچی سن کالج، اور (۳) پاک مدرسہ برائے طالبات اچھرہ اور (۴) گورنمنٹ گرلز کالج برائے خواتین ماڈل ٹاؤن ✤

کراچی | کراچی میں کل آٹھ تقریریں ہوئیں : تین پاک سُنی کونسل کے زیرِ اہتمام خالق دینا

ہال میں ، چار کراچی پورٹ ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام اُن کے اپنے ٹینس کورٹ میں اور ایک اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے وسیع وعریض ہال میں - اِن میں سے آخری تو ایک جلسۂ عام تھا جس میں دو ڈھائی ہزار افراد شریک تھے ، ویسے کامیاب ترین اجتماعات کراچی پورٹ ٹرسٹ کے تھے ، جن کے لئے ٹرسٹ کے متعدد ذمّہ دار افسروں انتھک محنت کی تھی - ٹرسٹ کے چیئرمین ائیر ایڈمرل ایم آئی ارشد صاحب خود بھی تینوں روز شریکِ جلسہ رہے اور آخری دن انہوں نے جو مختصر خطاب کیا اس سے تو ان کے دینی جذبات کا بہت ہی دِل خوش کُن اظہار ہوا- اللہ تعالیٰ اُن کے دینی جذبات کو اور جلا عطا فرمائے آمین ؛

حیدرآباد | حیدر آباد میں جلسہ سیرت النبیؐ ، مولانا سیّد وصی مظہر ندوی مدّظلّہٗ کے قائم کردہ جامعۂ اسلامیہ میں منعقد ہوا- جلسہ میں حاضری بھی بہت اطمینان بخش رہی اور حاضرین نے سوا دس بجے سے سوا بارہ بجے شب تک تقریر کو بہت اطمینان اور سکون

سکھر | سکھر میں ۲۱- فروری کو دو اجتماعات ہوئے - ایک عصر تا مغرب ایک صاحب کے مکان پر عصرانہ کے ساتھ ، اور دوسرا مکّی مسجد محمّد ابن قاسمؒ باغ میں بعد نمازِ عشاء بحمد اللہ دونوں نہایت کامیاب رہے ؛

ملتان | ماہِ فروری کے دوران ملتان دو بار جانا ہوا- ایک اجتماع ۶- فروری کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کے زیرِ اہتمام ہوا اور دوسرا پی آئی اے ورکرز یونین "پیاسی" کے زیرِ اہتمام ۲۴- فروری کو- مقدم الذکر اجلاس تو اکثر شرکاء کے بقول ملتان کی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کی پوری تاریخ کا عظیم ترین اور کامیاب ترین اجتماع تھا- فللہ الحمد والمنّۃ ——— دوسرا اجلاس بھی بہت کامیاب تھا اور اُس کے دوران راقم کو جماعتِ اسلامی اور اُس کی ذیلی تنظیموں کے نوجوان کارکنوں کے جوش وخروش کے قریبی مشاہدے کا جو موقع ملا ، وہ گویا "نَافِلَةً لَّكَ" کے درجے میں ہے ؛

فیصل آباد | فیصل آباد میں ۹- فروری کی رات بعد نمازِ عشاء زرعی یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں زیرِ صدارت جناب عبدالغفور بھٹی صاحب جو اجتماع ہوا وہ بھی اِن شاءَ اللہ بہت سے اعتبارات سے یادگار رہے گا- یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر چوہدری غلام رسول صاحب کو تو راقم سے ایک دیرینہ تعلق خاطر ہے ہی ، اِس اجتماع کی کامیابی پر اُن کی مسرّت دیدنی تھی ؛

اسلام آباد | اسلام آباد میں ۱۱- فروری کو دوپہر کے وقت قائدِ اعظم یونیورسٹی میں جلسۂ سیرت وائس چانسلر جناب احمد محی الدّین کی زیرِ صدارت ہوا ، یہ جلسہ بھی بہت

تفسیر سُورۃ انفال

سُورۃ انفال کی ابتدائی دس آیات کی تشریح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

کی چار نشری تقاریر جو ماہ فروری ۷۹ء کے دوران ہر جمعہ کی صبح
ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئیں:

احمدہٗ و اصلی علیٰ رسولہ الکریم ، امّا بعد ، فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم :

" یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ ط قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ ج فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ "

یہ سورۂ انفال کی پہلی آیت ہے اور اس کا ترجمہ یہ ہے :

"(اے نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم !) لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اموالِ غنیمت اللّٰہ اور اس کے رسولؐ کا حق ہیں پس اللّٰہ کا تقویٰ اختیار کرو اور آپس کے تعلقات کو درست کرو ، اور اللّٰہ اور اس کے رسول کا کہا مانتے رہو ، اگر تم (فی الواقع) مومن ہو !"

دس رکوعوں میں منقسم اور پچہتر آیات پر مشتمل سورۂ انفال مُصحف کی آٹھویں اور ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے دوسری مدنی سورت ہے۔ اس لئے کہ پہلی مدنی سورت سورۂ بقرہ ہے، جس کی اکثر و بیشتر آیات ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے متصلاً قبل تک کے زمانے میں نازل ہوئیں۔ جب کہ سورۂ انفال غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی اور غالب گمان یہ ہے کہ پوری کی پوری بیک وقت ایک نہایت مربوط اور مرتب خطبے کی صورت میں نازل ہوئی۔ واللّٰہ اعلم !! ——— مضامین کے اعتبار سے بھی سورۂ بقرہ اور سورۂ انفال میں ایک گہرا ربط ہے، مسلمانوں کو "اذنِ قتال" تو اگرچہ پہلے ہی سورۂ حج کی اس آیت کے ذریعے مل چکا تھا کہ : اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی

نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝ یعنی جن لوگوں پر ظلم کیا جاتا رہا ہے اور جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے آج انہیں بھی اذنِ قتال دیا جا رہا ہے۔ لیکن باقاعدہ "حکمِ قتال" پہلی بار سورۂ بقرہ ہی میں نازل ہوا۔ چنانچہ اُس کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ میں اہلِ ایمان کو قتال فی سبیل اللہ کا تاکیدی حکم بھی ملا اور اس ضمن میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئیں۔ پھر آیات نمبر ۲۱۶ اور ۲۴۴ میں قتال کی مزید تاکید وارد ہوئی، اور اس کے بعد آیات ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے وہ واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ وارد ہوئے، جن کے نتیجے میں ان کی عظمت و سطوت کے دَور کا آغاز ہوا اور اس ضمن میں طالوت اور جالوت کی جنگ کا ذکر ہوا جو گویا بنی اسرائیل کی تاریخ کی جنگِ بدر تھی۔ اور اس طرح مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ اب تم بھی "جنگِ بدر" کیلئے تیار ہو جاؤ۔ سورۂ بقرہ کے آخر میں آتی ہے وہ عظیم دعا جو مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ پیش آنے والے سخت مراحل میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور نصرت و تائید طلب کرو (ان الفاظِ مبارکہ کے ساتھ کہ : رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ، رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ، رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ یعنی اے ربّ ہمارے ، مت مواخذہ فرما ہم سے اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا کا صدور ہو جائے اے پروردگار مت ڈال ہم پر وہ بوجھ جو تو نے ڈالے اُن پر جو ہم سے پہلے تھے ، اور نہ ہی ڈال ہم پر وہ بار جس کی ہم میں طاقت نہ ہو ، اور ہمیں معاف فرما اور ہم پر اپنی مغفرت کا سایہ کر اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا حامی و مددگار ہے ، پس مدد فرما ہماری کافروں کے مقابلے میں !" ——— سورۂ بقرہ تو ان پیشگی ہدایات و تلقینات پر ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد پیش آتا ہے وہ معرکہ جو تاریخ میں غزوۂ بدر کے نام سے موسوم ہے !! — اور اس کے فوراً بعد نازل ہوتی ہے سورۂ انفال جو کل کی کل مشتمل ہے غزوۂ بدر سے متصلاً قبل ، اس کے دوران اور اس کے فوراً بعد کے حالات و واقعات کے بیان اور ان پر حکیمانہ تبصرے پر اور جس کا آغاز ہوتا ہے جنگ میں مسلمانوں کی شاندار اور معجزنما کامیابی کے نتیجے میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کے ذکر سے جن کے بارے میں یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا کہ یہ اصلاً کس کا حق ہیں اور ان کی تقسیم کس طور سے ہو۔ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک عظیم معرکے پر تبصرے کے ضمن میں دوسرے اہم تر واقعات پر مالِ غنیمت کے تذکرے کو مقدم کر دیا گیا۔ لیکن اگر یہ حقیقت پیشِ نظر رکھی جائے کہ قرآن بالعموم خطابات

کے اسلوب پر نازل ہوا ہے تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد اگر کوئی خطیب خطبہ دیتا تو وہ لازماً آغاز اُس مسئلے سے کرتا جو اُس وقت فوری طور پر درپیش تھا، اس لئے کہ خطیب اور اس کے مخاطبین کا تعلق بڑا عجیب ہوتا ہے۔ خطیب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخاطبین کو اپنے ساتھ ایک ذہنی سفر میں شریک کرے۔ اب اگر اُس کے مخاطبین کے ذہنوں پر اس وقت کوئی اور مسئلہ چھایا ہوا ہو اور وہ اسے نظرانداز کرکے کسی اور بات سے اپنی گفتگو شروع کردے تو اس کے مخاطبین ادھر متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اس طرح خطیب تو آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ لیکن مخاطبین اپنی جگہ پر کھڑے رہ جاتے ہیں اور سفر کا آغاز ہی نہیں کرتے، اور خطبہ کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے!! لہٰذا لازم ہے کہ خطیب آغاز اُسی مسئلے سے کرے جو فی الوقت مخاطبین کے ذہنوں پر چھایا ہوا ہو۔ اس کے بعد اگر حکمت متقاضی ہو تو خطیب گفتگو کے رخ کو دوسری جہتوں میں موڑ سکتا ہے ـــــ چنانچہ یہی اسلوب ہے جو سورۂ انفال کے آغاز میں اختیار کیا گیا کہ اموالِ غنیمت کے اجمالی ذکر کے فوراً بعد گفتگو کا رخ دوسرے اہم موضوعات کی جانب مڑ گیا اور پھر پوری چالیس آیات کے بعد کلام کا رخ دوبارہ اس موضوع کی طرف ہوا۔ آیت زیرِ درس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اموالِ غنیمت کے مسئلے کی نزاکت کو پوری طرح پیشِ نظر رکھا جائے۔

قدیم زمانے سے جنگوں کے بعد دشمن سے حاصل ہونے والے اموال و اسباب کے بارے میں دو ہی باتیں عملاً رائج چلی آرہی تھیں۔ ایک یہ کہ یہ سب بادشاہ یا سپہ سالار کی ملکیت قرار پاتے تھے اور دوسرے یہ کہ جو مال جس سپاہی کے قبضے میں آجاتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا مالک سمجھتا تھا۔ جس کے نتیجے میں فوری طور پر چھینا جھپٹی کی کیفیت بھی پیدا ہوتی تھی اور مستقل طور پر تنافس و عداوت کا سلسلہ بھی شروع ہوجاتا تھا۔ رہا کذب و اخفاء اور سرقہ و خیانت کا معاملہ تو وہ تو گویا لازمی تھا ہی! ـــــ اب اس حقیقت پر غور فرمائیے کہ غزوۂ بدر اسلام اور کفر کے مابین پہلا مسلح تصادم تھا، اور ابھی تک جنگ اور اس سے پیدا شدہ مسائل کے ضمن میں کوئی احکام و قوانین قرآن میں نازل نہیں ہوئے تھے لہٰذا بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں اس ضمن میں اپنے ملک اور اپنے معاشرے کے عام رواج کے سوا اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و

کرم سے خالص معجزانہ طور پر مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی تو کفار و مشرکین کے اموال و اسباب میں سے جو جس کے ہاتھ لگا وہ فطری طور پر اسے اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا۔ ادھر بعض اصحاب وہ تھے جن کے سپرد خصوصی خدمات تھیں جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وغیرہ۔ یہ حضرات اپنے اپنے کاموں میں منہمک رہے اور مال غنیمت جمع نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ ایسے حضرات بھی تھے جو دشمن کے قدم اکھڑ جانے کے بعد ان کے تعاقب میں رہے مبادا وہ اپنی پراگندہ جمعیت کو دوبارہ مجتمع کر کے پھر حملہ آور ہو جائیں۔ ایسے حضرات کے لئے ظاہر ہے کہ اموالِ غنیمت جمع کرنے کا کوئی موقع سرے سے تھا ہی نہیں! لیکن عقل و منطق کے ہر قاعدے اور کلیئے کی رُو سے ان حضرات کا حق دوسروں سے زائد ہی بنتا تھا!! — الغرض یہ تھی وہ نہایت پیچیدہ اور نازک صورتِ حال جس کے پس منظر میں شہنشاہِ ارض و سماوات نے اپنے شاہانہ خطبے یعنی سورۂ انفال کا آغاز فرمایا، اور اس مقولے کے مصداق کہ: "کَلَامُ الْمُلُوْکِ مُلُوْکُ الْکَلَامِ!" (یعنی بادشاہوں کا کلام، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے!) حکمت، جامعیت، تاثیرِ کلام اور فصاحت و بلاغت سب اپنے کمال و انتہا کو پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پہلے ہی لفظ یعنی "اَنْفَال" میں جس سے اموالِ غنیمت کو تعبیر فرمایا گیا ——— انفال، نفل کی جمع ہے اور نفل عربی زبان میں کہتے ہیں اصل سے زائد کو، جیسے اجر و ثواب سے بڑھ کر ہے فضل، عدل سے بڑھ کر ہے احسان، اور فرائض سے زائد ہیں نوافل۔ کسی جنگ میں فتح کے نتیجے میں حاصل شدہ اموال و اسباب کو اَنْفَال سے تعبیر کرنا واقعہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کی معراج سے ہرگز کم نہیں، اس لئے کہ بہ حقیقت اہلِ ایمان کے لئے صد فی صد درست ہے ہی، عام دنیوی و انسانی سطح پر بھی بالکل صحیح ہے۔ اس لئے کہ جنگ سے اصل مقصود فتح ہوتی ہے نہ کہ مالِ غنیمت اور وہ لڑائی جنگ نہیں لوٹ مار کہلاتی ہے، جس سے اصل مقصود ہی مال حاصل کرنا ہو۔ [جنگیں قوموں اور حکومتوں کے مابین لڑی جاتی ہیں اور ان سے کم از کم مقصود غلبہ و استیلا ہوتا ہے، گویا ان جنگوں کے اعتبار سے بھی مالِ غنیمت کی حیثیت ثانوی ہے جس کی تعبیر کے لئے عربی کا لفظ 'انفال' بہت ہی موزوں ہے!]

رہی بندۂ مومن کی جنگ تو اس سے اس کی اپنی ذاتی غرض تو کوئی وابستہ ہوتی

ہی نہیں۔ اس کا اصل مقصد تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ دنیا میں بھی اگر کچھ مطلوب ہے تو صرف یہ کہ اللہ کا دین نافذ و غالب ہو اور اللہ کے بندے کفر و شرک کے اندھیاروں سے نکل کر نورِ ایمان میں آجائیں اور ملوک و سلاطین کے ظلم و ستم کے شکنجے سے رہائی پاکر اسلام کے عدل کے سایہ میں آرام پائیں اور اس سعی و جہد کے نتیجے میں نصیب یاور ہو تو بندۂ مومن مرتبۂ شہادت حاصل کرلے ورنہ کم از کم فریضۂ شہادت علی الناس کے اعتبار سے سرخرو ہو جائے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

گویا قتال فی سبیل اللہ سے بندۂ مومن کا مقصود و مطلوب صرف شہادت ہے (مذکورہ دونوں اعتبارات سے) مالِ غنیمت کا تو کیا سوال اسے تو کشور کشائی بھی اپنے یا اپنی قوم کے لئے ہرگز مطلوب نہیں۔ الغرض بندۂ مومن کے لئے تو اموالِ غنیمت صد فی صد "انفال" کے حکم میں ہیں۔

اموالِ غنیمت کو "انفال" قرار دینے کے بعد اس آیۂ مبارکہ میں ان کے بارے میں جو فیصلہ وارد ہوا یعنی یہ کہ وہ اصلاً اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حق ہیں، وہ بھی حکمتِ قرآنی کا ایک نادر نمونہ ہے اس لئے کہ وہ لفظِ "انفال" کا منطقی نتیجہ ہونے کے علاوہ غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کے اعتبار سے بھی صد فی صد درست ہے، اس لئے کہ تین سو تیرہ بے سرو سامان لوگوں کے ہاتھوں جن کی اکثریت انصارِ مدینہ سے تعلق رکھتی تھی، جنھیں ان کے مدِ مقابل قریشِ مکہ لڑاکا اور جنگجو قوموں کی فہرست میں جگہ دینے ہی کو تیار نہ تھے، ایک ہزار کیل کانٹے سے لیس قریشِ مکہ کے سورماؤں کا اس طرح پٹ جانا کہ وہ ستر لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اسباب و علل اور ان کے نتائج و عواقب کے عادی سلسلہ کی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت و تائید کا ظہور تھا، گویا یہ جنگ اہلِ ایمان نے نہیں اللہ تعالیٰ نے لڑی تھی بعنوائے الفاظِ قرآنی: فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ (اے مسلمانو! انہیں تم نے نہیں قتل کیا، اللہ نے قتل کیا ہے!) لہٰذا یہ اموالِ غنیمت بھی اصلاً تمھارا حق نہیں، اللہ اور اس کے رسول کا حق ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے تمھیں اُن سے متمتع ہونے کی اجازت مرحمت فرما دے!۔

چنانچہ وہ اجازت آیت ۴۱ میں وارد ہوگئی کہ اللہ نے کل مالِ غنیمت کا صرف پانچواں حصّہ یعنی خُمس اپنے اور اپنے رسولؐ کے لئے محفوظ فرما کر بقیہ مسلمانوں میں تقسیم کرنے کی اجازت دے دی۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کا حصّہ بھی اصلاً معاشرے کے کمزور اور نادار افراد کا حصّہ ہے، ورنہ اللہ خود تو غنی ہے ہی، اُس کے رسولؐ نے بھی اختیاری فقر کو اپنا طریق قرار دے رکھا ہے ـــــ بمصداق الفاظِ نبویؐ : "اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ!"

اہم معاملات کے ضمن میں یہ انداز کہ پہلے ایسی بات کہی جائے جس سے مسئلے کی جڑ ہی کٹ جائے اور پھر شریعت کا حکم سنایا جائے، جو اپنے اصل تناظر میں ہلکا پھلکا اور اللہ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم کا مظہر نظر آنے لگے قرآن میں اور مقامات پر بھی اختیار کیا گیا ہے مثلاً سورۂ بقرہ میں تحویلِ قبلہ کے ضمن میں پہلے چودھویں رکوع میں مسئلے کی جڑ ہی کاٹ ڈالی گئی یہ کہہ کر کہ : لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (یعنی مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، تم جدھر بھی رُخ کروگے اُدھر اللہ ہی کا رُخ ہوگا!) ـــــ اور سترھویں اور اٹھارویں رکوع میں تحویلِ قبلہ کا حکم آیا تو اُس کو قبول کرنے کے لئے اذہان پہلے سے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔

آیت زیرِ درس کے آخر میں مسلمانوں کو متوجہ کیا گیا کہ مالِ غنیمت پر توجہ دینے کی بجائے اپنی توجہات کو مرتکز کرو اصل اہمیت کے حامل اُمور کی جانب جو تین ہیں :- اوّلاً اللہ کا تقویٰ جو دین کی جان ہے، دوسرے آپس میں رشتۂ محبت و اخوت کی استواری جس سے تم "بنیانِ مرصوص" بن سکوگے۔ اور تیسرے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت جس سے حیاتِ دینی کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ آخری الفاظ یعنی "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" میں مسلمانوں کی غیرتِ ایمانی کو اپیل کیا گیا یعنی یہ کہ اگر تم واقعتہً مومن ہو تو تمہارے لئے اصل اہمیت مالِ غنیمت کی نہیں بلکہ ان تین چیزوں کی ہونی چاہیئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(۲)

اَحْمَدُهٗ وَ اُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ـــــ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ـــــ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ——

یہ سورۂ انفال کی آیات ۲ تا ۴ ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے :

"مومن تو بس وہی ہیں جن کے دل اللہ کے ذکر پر لرز اٹھتے ہیں اور جب اُس کی آیتیں انہیں سُنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ صرف اپنے ربّ پر ہی توکّل کرتے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں حقیقتاً مومن ان کے لئے محفوظ ہیں ان کے ربّ کے پاس اعلیٰ درجے بھی اور عفو و درگذر بھی اور باعزّت روزی بھی!"

سورۂ انفال کی پہلی آیت کا اختتام "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝" کے الفاظِ مبارکہ پر ہوا تھا۔ یعنی جو احکام تمھیں دیئے گئے ہیں ان کی تعمیل ہی تمھارے زیادہ مناسبِ حال ہے، اگر تم فی الواقع مومن ہو۔ اسی مناسبت سے اگلی تین آیات میں، جن کا ترجمہ ابھی پیش کیا گیا، ایمانِ حقیقی کے بعض دوسرے ثمرات و مضمرات کی نشان دہی کی گئی ہے — ان آیاتِ مبارکہ کے معانی و مفاہیم پر غور کرنے سے پہلے اس موضوع کی اہمیّت کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ ایمان اصلاً ایک خاص باطنی و قلبی کیفیت کا نام ہے جو بعض اُمور پر یقین کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے یعنی اللہ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی صفاتِ کمال، بعث بعد الموت، حشر و نشر، جزاء و سزا اور جنّت و دوزخ، اور ملائکہ، وحی، نبوّت و رسالت اور کُتُبِ الٰہی پر یقین کا حاصل جمع اور ان سب کا لُبِّ لُباب ایمان ہے، لیکن یہ یقین ایسی باطنی اور قلبی کیفیت ہے جس کے عدم و وجود کے فیصلے یا ناپ تول اور درجہ بندی کا کوئی ذریعہ انسان کے پاس موجود نہیں ہے۔ اِن تمام اُمور کے حتمی اور یقینی فیصلے تو آخرت ہی میں اللہ تعالیٰ کے علمِ کامل کی بنیاد پر ہوں گے۔ لیکن دوسری طرف اسلام صرف ایک اخلاقی یا روحانی تعلیم کا نام نہیں ہے بلکہ تہذیب و تمدّن اور حکومت و ریاست کے جملہ معاملات کو بھی اپنے حیطۂ اقتدار میں لینا چاہتا ہے۔ لہٰذا فطری طور پر اس کی ضرورت ہے کہ دُنیا میں بھی اس کا فیصلہ کیا جائے کہ کون مومن ہے کون نہیں، یعنی کون مسلم معاشرے

میں شریک اور اسلامی ریاست کا کامل شہری قرار پاسکتا ہے اور کون نہیں۔ چنانچہ دُنیا میں اس فیصلے کو بعض ایسے اُمُور پر مترتّب فرما دیا گیا جو خارجی اور ظاہری ہیں اور جن پر اس دنیا میں حکم لگایا جاسکتا ہے۔ یعنی زبان سے اِن اُمورِ ایمانیہ کا اقرار اور کلمۂ شہادت کی ادائیگی اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی۔ اور ان اُمُورِ خمسہ کو ارکانِ اسلام قرار دے کر اسلامی معاشرے اور ریاست کی اساس و بنیاد قرار دے دیا گیا۔ اور اس کے لئے اگرچہ "اسلام" کی جداگانہ اصطلاح بھی وضع فرما دی گئی لیکن دنیا کی حد تک اسے "ایمان" بھی قرار دے دیا گیا۔ اگرچہ زیادہ معیّن الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ قانونی یا شرعی و فقہی ایمان ہے۔ اس طرح اگرچہ بات اپنی جگہ تو مکمل ہوگئی لیکن ایک ضرورت باقی رہی، اور وہ یہ کہ جو لوگ اس قانونی ایمان کے دائرے میں آجائیں اُنہیں مسلسل تربیت دی جاتی رہے کہ اس مقام پر اکتفا نہ کرلیں بلکہ آگے بڑھ کر حقیقتِ ایمان تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اپنے قلوب و اذہان سمیت اپنی پوری شخصیّت کو نورِ ایمان سے منوّر کرنے کی سعیِ پیہم میں مصروف رہیں۔ اس غرض کے لئے کہیں تو انداز و اسلوب وہ اختیار کیا گیا جو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳۶ میں ملتا ہے یعنی: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ" (یعنی اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر اور اُس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی!) اور کہیں وہ اسلوب اختیار کیا گیا جو سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۴ میں ہے یعنی: "قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ" (یعنی یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ اے نبیؐ! ان سے کہیئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا!) ——— غرض یہ کہ قرآن بار بار متنبّہ کرتا ہے کہ قانونی ایمان یا اسلام اور ہے اور حقیقی ایمان اور بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ❊ مُلّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

قانونی ایمان یا اسلام اِس دُنیا میں اسلامی معاشرے اور ریاست کی بنیاد اور اساس ہے اور بس، آخرت کے معاملات کا معیار و احد حقیقی ایمان ہے ——— اس پورے معاملے کے منطقی نتیجے کے طور پر یہ ضرورت بھی سامنے آتی ہے کہ اُس مطلوب ایمانِ حقیقی کی جامع و

مانع تعریف بھی بیان کی جائے اور اُس کے ثمرات و مضمرات کو بھی کھول کر بیان کیا جاتا رہے تاکہ اہلِ ایمان ان کی کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھتے رہیں اور اس کا ایک معیار ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر رہے ـــــ چنانچہ قرآنِ حکیم نے سُورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۵ میں تو جامع مانع تعریف بیان کردی اس لئے کہ وہی موقع اس کے لئے سب سے زیادہ مناسب تھا اور دوسرے بہت سے مقامات پر ایمانِ حقیقی کے مختلف آثار و نتائج اور ثمرات و مضمرات کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ جیسے سورۂ تغابُن کا دوسرا رکوع جو اس ضمن میں گویا قرآنِ حکیم کا جامع ترین مقام نہیں تو کم از کم جامع مقامات میں سے ایک ضرور ہے۔ ایسے ہی مقامات میں سے ایک آج کی زیرِ درس آیات پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں ایمانِ حقیقی کے پانچ لوازم یا ثمرات بیان ہوئے ہیں :

اوّلاً یہ کیفیت کہ جہاں اللہ کا نام آئے اور جب بھی اس کا ذکر ہو اصحابِ ایمان کے قلوب میں گداز پیدا ہو جائے اور اُن پر رقّت طاری ہو جائے۔ یہ کیفیت خشیتِ الٰہی اور محاسبۂ اُخروی کے خوف کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے اور عشق و محبّتِ الٰہی کا ثمرہ بھی! لیکن بہرصورت یہ ہے ایمانِ حقیقی کا نتیجۂ لازمی۔ اس کے فقدان ہی کی صورت ہے جسے قساوتِ قلبی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کی آخری حد وہ ہے جسے یہود کے ذکر میں سورۂ بقرہ کی آیت ۷۴ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا کہ : ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ (یعنی پھر تمہارے دل سخت ہوتے چلے گئے اور اب وہ پتھروں کے مانند ہو گئے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ سخت!) اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجامِ بد سے اپنی پناہ میں رکھے!

ثانیاً یہ کہ جب اللہ کی آیات سُنائی جائیں تو اُس سے اہلِ ایمان کو اپنے جذباتِ ایمانی میں جِلا اور کیفیاتِ ایمانی کی شدّت میں اضافہ ہوتا محسوس ہو۔ اِس لئے کہ قرآنِ حکیم منبعِ ایمان اور سرچشمۂ یقین ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے ایمان میں لازماً اضافہ ہونا چاہیئے، جیسے کہ ایک جلتی بھٹی کے سامنے بیٹھنے سے حرارت کا احساس ہونا لازمی ہے اور اگر کسی شے میں حرارت سرایت نہیں کرتی تو یہ ثبوت ہے اِس کا کہ اس میں حرارت کو جذب کرنے کی صلاحیت ہی موجود نہیں۔ اسی طرح اگر قرآنِ حکیم کے پڑھنے یا سُننے سے کسی کے ایمان میں اضافہ نہیں ہوتا تو یہ قطعی ثبوت ہے اس کا کہ اس کے دل میں ایمانِ حقیقی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

ثالثاً یہ کہ بندۂ مومن کا توکّل و اعتماد صرف ذاتِ خداوندی پر ہو اس لئے کہ توحید کا حاصل یہ ہے کہ فاعل حقیقی اور مؤثر حقیقی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں بقول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ : لَا فَاعِلَ فِي الْحَقِيقَةِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰهُ ! ——
اِس کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ نہ رہے اور اس کی ذاتِ واحد کے سوا کسی اور سے رشتۂ بیم و رجا قائم نہ رہے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

"بُتوں سے تجھ کو اُمیدیں خدا سے نومیدی ‏ ‏ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے ؟"

جب تک انسان کو یہ یقین نہ ہو کہ کسی سبب یا علّت یا ذریعے یا وسیلے میں یہ قوت نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نتیجہ پیدا کر سکے - اور دوسری جانب اللہ کسی سبب یا ذریعے یا وسیلے کا محتاج نہیں کہ اس کے بغیر اپنے کسی ارادے کو پورا نہ کر سکے - اس وقت تک ایمان باللہ ہی درست نہیں ہوتا ، اور ان دونوں باتوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی بھروسہ اور اعتماد اور توکّل اور تکیہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو اور غیر اللہ سے ان تمام رشتوں کا انقطاع ہو جائے -

رابعاً —— اقامتِ صلوٰۃ یعنی نماز کی پابندی اس کے جملہ شرائط و آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے - اس لئے کہ عشق و محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ محبوب کے ذکر سے لذّت حاصل ہو اور اس سے مخاطبہ و مکالمہ ہی میں دل کو اصل راحت نصیب ہو اور محبتِ الٰہی لازمی ثمرہ ہے ایمان باللہ کا بمصداقِ الفاظِ قرآنی : وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (یعنی جو لوگ واقعتہً حلاوتِ ایمانی کی لذّت آشنا ہوتے ہیں اُن کو سب سے بڑھ کر محبت ہوتی ہے اللہ کے ساتھ !) لہٰذا وہ تو بےچین رہتے ہیں کہ کب اذنِ نماز یعنی اذان کی آواز کان میں پڑے اور وہ ہمہ تن ذکرِ الٰہی کی جانب متوجہ ہو جائیں -

خامساً —— انفاق فی سبیل اللہ یعنی جو کچھ اللہ نے عطا فرمایا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں مسلسل خرچ کرتے رہنا - یہ بھی لازمی اور منطقی نتیجہ ہے ایمانِ حقیقی کا - بلکہ اس ضمن میں ایمان کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ ؎

"جان دی ، دی ہوئی اُسی کی تھی ‏ ‏ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا !"

کے مصداق سب کچھ اللہ کی راہ میں لُٹا دیا جائے - یہ تو در اصل اللہ ہی کے حکم کی تعمیل میں ہے کہ بندۂ مومن اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر بھی صرف کرے ورنہ اس کی اصل

خوشی انفاق فی سبیل اللہ میں ہے !!

ان آخری دو ثمراتِ ایمانی کے لئے جو الفاظ یہاں مستعمل ہوئے ان سے بھی سورۂ بقرہ اور سورۂ انفال کا ایک قریبی تعلق سامنے آتا ہے، اِس لئے کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی بعینہٖ یہی الفاظ وارد ہوئے ہیں !

اس مقام پر 'تدبّرِ قرآن' کے اعتبار سے ایک نکتہ بہت اہم ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں آخری سے پہلی یعنی 'LAST BUT ONE' آیت میں الفاظ وارد ہوئے ہیں : وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی یہی لوگ ہیں حقیقی مومن، اُن کے لئے مغفرت بھی ہے اور باعزّت روزی بھی !) اس کے ایمانِ حقیقی کی تصویر کا دوسرا رُخ کاملۃً سامنے آجاتا ہے یعنی ہجرت و نصرت اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ، جو ایمانِ حقیقی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اگر سورۂ انفال کے آغاز و اختتام کے ان دونوں مقامات کو جمع کرلیا جائے تو ایمان کے ثمرات و مضمرات اور آثار و نتائج کے یہ دونوں رُخ مل کر ایمان کی جامع و مانع تعریف کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ یہی ہے وہ مضمون جو سورۂ حجرات کی آیت ۱۵ میں وارد ہوا جس کی جانب اشارہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ وہاں آیت ۱۴ میں جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے ایمان اور اسلام کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ گویا وہ موزوں ترین مقام ہے ایمان کی جامع و مانع تعریف کا۔ جو ان الفاظ میں وارد ہوئی کہ : اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (یعنی حقیقی مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اُس کے رسول پر، پھر شک میں نہ پڑیں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اور کھپائیں اِس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی۔ (دعوی ایمان میں) سچے صرف وہی ہیں !)

آیات زیرِ درس میں ایمانِ حقیقی کے اجر و ثواب کی قطعیت و حتمیت، درجاتِ مراتبِ عالیہ کے پختہ وعدے اور رزقِ کریم کی نوید جانفزا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمانِ حقیقی کی دولتِ بے بہا سے نوازے اور ان وعدوں کا مصداق بنائے !۔۔۔ اَللّٰھُمَّ

حَبَّبَ اِلَيْنَا الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِنَا وَكَرَّهَ اِلَيْنَا الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِيْنَ ۝ ۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(۳)

كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ۝

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

یہ سورۂ انفال کی آیات ۵ تا ۱۰ ہیں اور ان کا ترجمہ یہ ہے :

"جیسے کہ نکال لایا تھا آپ کو (اے نبیؐ!) آپ کا رب آپ کے گھر سے ایک خاص مقصد کے ساتھ، درآنحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اُسے ناپسند کر رہا تھا۔ وہ امرِ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی آپ سے جھگڑتے رہے، جیسے کہ وہ آنکھوں دیکھتے موت کی جانب دھکیلے جا رہے ہوں۔ اور (اے مسلمانو!) ذرا یاد کرو، جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ عطا فرما دے گا، اور تم چاہتے تھے کہ تمہیں غیر مسلح گروہ پر قابو حاصل ہو، جبکہ اللہ کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا حق ہونا ثابت فرما دے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے تاکہ مجرموں کی خواہشات کے علی الرغم حق کا بول بالا فرما دے اور باطل کو نیست و نابود کر دے!"

اِن آیاتِ مبارکہ سے غزوۂ بدر کا واقعاتی بیان اور اس پر شہنشاہِ ارض و سماء کا شاہانہ تبصرہ شروع ہو رہا ہے ——— ویسے تو اِس کائنات میں جہاں بھی اور جب بھی کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے اختیارِ مطلق اور حکمتِ کاملہ کے تحت ہی ہوتا ہے۔ لیکن بعض اوقات کسی واقعے کے ظہور میں متعدد مشیتیں جمع ہو جاتی ہیں اور غزوۂ بدر کا وقوع اِس کی ایک نہایت نمایاں مثال ہے۔ چنانچہ اِن آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ غزوۂ بدر کے وقوع

کو کُلّیتہً اپنے اِرادۂ کامل کا ظہور اور اپنی حکمتِ بالغہ کا اقتضا قرار دے رہے ہیں یعنی اے لوگو! یہ نہ سمجھو کہ غزوۂ بدر کوئی اتفاقی واقعہ تھا جو ایسے ہی ظہور میں آگیا بلکہ اِس کے لئے تو ہم نے خود ایک مقصدِ معیّن کے لئے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ مقصدِ معیّن تھا حق کا احقاق اور باطل کا ابطال، یعنی یہ کہ دُنیا دیکھ لے کہ تائیدِ ایزدی اور نُصرتِ خداوندی محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے ساتھیوں کے ساتھ ہے یا اُن کے دُشمنوں کے!! گویا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے رفقاء کی پندرہ سالہ محنت و مشقّت اور صبر و مصابرت کے فقید المثال مظاہرے پر رحمتِ خداوندی جوش میں آگئی تھی اور جس سُنّتِ الٰہی کا ظہور تقریباً دو ہزار سال قبل بنی اسرائیل کے حق میں ہوا تھا کہ: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ ط (یعنی ہم چاہتے تھے کہ اِن لوگوں پر احسان فرمائیں جنھیں زمین میں کمزور بنا کر دبا لیا گیا تھا!) وہ اب مسلمانوں کے حق میں بھی ظاہر ہو اچاہتی تھی۔ گویا وہ نُصرتِ الٰہی ظہور کے لئے بے تاب تھی جس کا وعدہ سورۂ حج میں اِذنِ قتال کے ساتھ ہی ربہ تاکیدی انداز میں ہوا تھا کہ: "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ" (یعنی اللہ لازماً مدد کرے گا اُس کی جو اُس کی (یعنی اس کے دین کی) مدد کرے گا!) —— اللہ کی اس حتمی و قطعی مشیّت کے تحت لیکن اُس کے عین مطابق و متوازی مشیّت تھی رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے مخلص اہلِ ایمان ساتھیوں کی، خواہ وہ مہاجرین میں سے تھے یا انصار میں سے! (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) — اِس لئے کہ ہجرت کی حیثیّت نعوذ باللہ من ذالک فرار کی نہ تھی کہ مکّہ کی مشکلات سے نجات حاصل کر کے مدینے کی ٹھنڈی چھاؤں کو گوشۂ عافیت بنا لیا جائے۔ بلکہ اس لئے تھی کہ مکّے میں حالات کے انتہائی ناسازگار ہونے پر مدینہ منوّرہ کو دعوتِ اسلامی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی جدّ و جُہد کے لئے دوسرا مرکز یا ALTERNATE BASE کی حیثیّت دے دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مدینے پہنچتے ہی ایک طرف یہود کے ساتھ معاہدے کر کے اس مرکز یا BASE کے استحکام کا بندوبست کر دیا اور دوسری طرف اہلِ مکّہ کے تجارتی راستوں کو مخدوش بنا کر گویا جوابی کارروائی کا آغاز فرمایا۔ حاصل یہ کہ جس طرح بیعتِ رضوان کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے آنحضور

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ اور خود غزوۂ بدر میں اسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۱۷ کی رُو سے آنحضورؐ کے کنکریاں پھینکنے کو اپنا پھینکنا قرار دیا۔ اسی طرح یہاں مشیّتِ ایزدی اور مشیّتِ محمّدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام میں بھی کامل وحدت و موافقت موجود تھی۔ اور یہ یقیناً کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، اس لئے کہ یہ تو ایمان اور بندہ و ربّ کے مابین صحیح تعلّق کا لازمی نتیجہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے وقوع پذیر ہونے میں کفّارِ قریش بالخصوص اُن کے تیز و تُند مزاج کے حامل سرداروں یعنی 'HAWKS' جیسے ابوجہل اور عقبہ ابن ابی معیط وغیرہ کی خواہش بھی مشیّتِ ایزدی کے عین مطابق تھی۔ اگرچہ اُن کا مقصد بالکل برعکس تھا یعنی یہ کہ اس سے پہلے پہلے کہ محمّد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مدینے میں قدم جمالیں اور اپنی پوزیشن کو مستحکم کرلیں پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہوکر بھرپور حملہ کر دیا جائے اور بزعمِ خویش اِس "فتنے" کا قلع قمع کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زبردست تیاری کے ساتھ نکلے اور چونکہ انہیں اپنی تعداد کی کثرت اور اسلحہ اور ساز سامان کی فراوانی کے پیشِ نظر اپنی فتح کا پورا یقین تھا۔ لہٰذا انہوں نے خود یومِ بدر کو پیشگی طور پر "یَوْمُ الْفُرْقَان!" قرار دے دیا تھا یعنی حق و باطل کے درمیان فرق کر دینے والا دن۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ فتح تو یقیناً ہماری ہوگی ہی، اِس پر ہم دُنیا کو بتائیں گے کہ دیکھ لو! ثابت ہوگیا کہ خدا کی تائید کس کے ساتھ ہے اور اس طرح ہم آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور ایمان و اسلام کی رہی سہی کھ کو بھی ختم کرکے رکھ دیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ "ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال!" کے مصداق اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے واقعتہً اُسے "یَوْمُ الْفُرْقَان!" بنا دیا اگرچہ کُفّار کی خواہش یا توقع کے بالکل برعکس ——— اور دنیا نے دیکھ لیا کہ تین سو تیرہ (۳۱۳) بے سروسامان اور غیر مُسلّح یا نیم مُسلّح لوگوں کے ہاتھوں ایک ہزار سے زائد غرقِ آہن سُورماؤں کا اس طرح پٹ جانا کہ ستّر لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگ نکلے جن میں ابوجہل اور عتبہ بن ربیعہ جیسے سردار بھی شامل تھے۔ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ خالق و مالکِ ارض و سماء کی تائید یقیناً اہلِ ایمان کے ساتھ ہے!! گویا حق کا حق ہونا بھی ثابت ہوگیا اور باطل کا باطل ہونا بھی ——— اور یہی وہ مقصدِ معیّن تھا جس کے لئے حکمتِ خداوندی اور مشیّتِ ایزدی

کے تحت آنحضورؐ اور اہل ایمان اپنے گھروں سے نکلے تھے !!

آیاتِ زیرِ درس میں لشکرِ اسلام میں شامل بعض مسلمانوں کے تردّد اور تذبذب کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے کہ جب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مشاورۃً سوال کیا کہ ایک تو وہ قافلہ ہے جو مالِ تجارت سے لدا پھندا شام سے آرہا ہے اور اُس کے ساتھ محافظوں کی بہت تھوڑی سی نفری ہے اور دوسری طرف ایک مسلح لشکر ہے جو مکّہ سے آرہا ہے۔ اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اِن دونوں میں سے ایک پر تمھیں قابو حاصل ہو جائے گا تو بتاؤ تم کس کا قصد کرنا چاہتے ہو ؟ تو بعض لوگوں نے قافلہ کا قصد کرنے کا مشورہ دیا ، کہ خطرہ کم از کم ، اور متوقع مال بیش از بیش !! اِن لوگوں کے ابتدائی مشورے سے بھی یہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا کہ اعلاء کلمۃ اللہ اور ذوقِ شہادت کی بجائے رُجحان مال و اسبابِ دُنیوی کی جانب ہے۔ لیکن آیات کے بَین السّطور سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بعد بھی کہ آخری فیصلہ ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ اللہ کی مشیت اور اُس کے رسولؐ کی منشا کیا ہے ، کچھ لوگ اپنی بات پر مُصر ہی رہے اور مجبوراً لشکر کی جانب چلے بھی تو لرزاں و ترساں جیسے کسی کو کشاں کشاں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو ——— !!

یہ گویا مدنی دَور میں نفاق کے مرض کا نقطۂ آغاز تھا۔ اور چونکہ ایک تو ابھی اس بیماری کی ابتدا ہی ہوئی تھی اور دوسرے ان لوگوں کی تعداد اتنی کم تھی کہ نہ وہ فیصلہ بدلوا سکے نہ اُنہیں اِس کی ہی جُرأت ہوئی کہ آنحضورؐ اور اہلِ ایمان کا ساتھ چھوڑ کر واپس مدینے چلے جاتے لہٰذا بات اتنے ہی پر ختم ہو گئی ——— بلکہ اس قاعدۂ کُلیّہ کے تحت کہ اگر بندۂ مومن کسی نیک کام کا ارادہ کرے تو خواہ کسی سبب سے اس کو عملاً پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی نوبت نہ آسکے ، نامۂ اعمال میں ایک نیکی کا اندراج ہو جاتا ہے ، برعکس اس کے اگر کسی بدی کا ارادہ کیا جائے تو جب تک اُس کا ارتکاب نہ ہو ، نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا۔ چونکہ بعض مسلمانوں کی متذکرہ بالا نفسیاتی کیفیت صرف ایک وسوسۂ شیطانی کے درجے میں رہی اور اُس کا کوئی عملی ظہور نہیں ہوا ، لہٰذا اس کی بناء پر ' اصحابِ بدر ' کو کسی طعن یا تنقید کا ہدف نہیں بنایا جا سکتا ! ——— لیکن اگلے ہی

تعالیٰ غزوۂ اُحد کے موقع پر اِس مرض کا ظہور شدّت سے ہوا اور عبداللہ ابن اُبی عین وقت پر اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس مدینے چلا آیا۔ آیاتِ زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے اِس مرض کے آغاز کی نشان دہی اتنی وضاحت سے اِس لئے فرما دی کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اہلِ ایمان آگاہ ہو جائیں اور باہر کے دشمنوں کے ساتھ ساتھ اِن اندرونی خطرات سے بھی خبردار رہیں !!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

(۴)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ ۝ وَمَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

یہ سورۂ انفال کی نویں اور دسویں آیتیں ہیں جن پر پہلا رکوع مکمّل ہو جاتا ہے اور اِن کا ترجمہ یہ ہے :

"یاد کرو وہ وقت جب تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے تو اُس نے تمہاری دعا قبول فرمائی کہ میں تمہاری مدد ایک ہزار فرشتوں سے کروں گا جو لگاتار آئیں گے، اور اس سے اللہ کا مقصود صرف یہ تھا کہ تم بشارت حاصل کرو، اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں ورنہ (اہلِ ایمان کو) مدد تو جب بھی ملتی ہے خاص اللہ ہی کے پاس سے ملتی ہے۔ یقیناً اللہ زبردست بھی ہے، دانا بھی !!"

اِن آیاتِ مبارکہ میں یومِ بدر اور اس سے قبل کی شب کی کیفیات کا بیان ہوا ہے بدر کے میدان میں آمنے سامنے پڑاؤ ڈالے ہوئے دو لشکروں کے مابین لڑنے والوں کی نفری اور اسلحۂ جنگ اور دیگر ساز و سامان کا فرق اتنا واضح اور نمایاں تھا کہ یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہو گا کہ مادّی معیارات کے اعتبار سے کوئی مقابلہ سرے سے تھا ہی نہیں اس صورتِ حال میں اہلِ ایمان کا اللہ کی جناب میں خشوع و خضوع کے ساتھ رجوع بالکل فطری اور منطقی بات ہے۔ اور یہ کیفیت ظاہر ہے کہ دورانِ شب بھی رہی ہوگی صبح کے وقت بھی اور دورانِ جنگ بھی۔ عام مسلمانوں کا تو کیا کہنا خود دونوں جہانوں

کے سردار اور اہلِ ایمان کے سپہ سالار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی یہ کیفیت بتمام و کمال طاری تھی۔ چنانچہ گھاس پھونس کی اس جھونپڑی میں جو آپؐ کے لئے عین میدانِ جنگ کے درمیان بنادی گئی تھی اور جس پر ہاتھ میں ننگی تلوار لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہرہ دے رہے تھے۔ آپؐ اللہ سے دُعا و مناجات میں مصروف رہے جس میں محویت کا عالم یہ تھا کہ چادر مبارک بار بار کندھے سے اُتر جاتی تھی اور آپؐ کو احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ کبھی آپ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا دیتے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے: "اے اللہ! تو نے جو وعدہ مجھ سے کیا تھا اُسے آج پورا فرما!" کبھی آپؐ سجدے میں گر جاتے اور فرماتے: "اے اللہ! اگر یہ چند نفوس آج ہلاک ہوگئے تو پھر قیامت تک تیرا پرستش کرنے والا کوئی نہ ہوگا!" جس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور! بس کیجئے! اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا!" ــــ اور جیسے ہی یہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے نکلے ــــ اُدھر وحیٔ خداوندی بھی نازل ہوگئی اور آنحضورؐ نے: "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ" کے الفاظ فرماتے ہوئے سجدے سے سر اُٹھایا ــــ اس مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا میں نیاز سے بڑھ کر ناز کا انداز بھی پیدا ہوا ہے، لیکن ہے بالکل مطابقِ واقعہ۔ گویا آنحضورؐ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ! میں تیرا آخری رسول ہوں۔ تیرے اپنے فیصلے کے مطابق میرے بعد کوئی اور رسول آنے والا نہیں ہے۔ اور میری پندرہ برس کی محنت و مشقت کا حاصل ہیں یہ چند نفوس جنھیں میں نے تیرے حکم سے میدان میں لا ڈالا ہے۔ اب اگر یہ شہید ہوگئے تو پھر تجھے کون پوجے گا۔ آیت زیرِ درس میں اس مقام پر لفظ "استغاثہ" استعمال ہوا ہے جو ان جملہ کیفیات کی تعبیر کے لئے موزوں ترین لفظ ہے ــــ یعنی جسے فارسی میں "فریاد" اور اُردو میں "دُہائی" سے تعبیر کیا جاتا ہے!! ــــ یہاں استغاثے کا ذکر چونکہ جمع کے صیغے میں ہوا ہے لہٰذا اس کے جواب، اور اس میں دعا کی قبولیت کا ذکر بھی جمع ہی کے صیغے سے ہوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ نوید جانفزا اوّلاً تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دی گئی ہوگی اور آپؐ ہی کی وساطت سے جملہ اہلِ ایمان تک پہنچی ہوگی بہرحال اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں کی کمک آئے گی اور وہ بھی ایک دم نہیں بلکہ پے بہ پے پرے کے بعد پرے کی صورت میں۔ اِس میں ایک تو جنگ کی نفسیات کا لحاظ ہے کہ دورانِ جنگ اگر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کمک پہنچتی رہے تو خواہ وہ کتنی ہی

تھوڑی ہو بہت مؤثر ہوتی ہے، اور ایک ہی بار کمک آئے تو خواہ وہ بڑی بھی ہو زیادہ مؤثر نہیں ہوتی ـــــ اس لئے کہ مقدّم اللہ کر صورت میں لڑنے والوں کو مدد کی اُمید برابر لگی رہتی ہے ـــــ دوسرا اور اہم تر اشارہ اس میں اس جانب ہے کہ اس مدد کے بھروسے پر خود ہاتھ پاؤں چھوڑ کر نہ بیٹھ رہنا۔ یہ تمھارے صبر و ثبات، عزم و ہمّت اور سرفروشی و جانفشانی کی نسبت سے وقفہ وقفہ کے ساتھ نازل ہوگی۔ کہ نصرتِ خداوندی کے ضمن میں قاعدۂ کلیّہ یہی ہے کہ: "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ" یعنی بندہ اللہ کی مدد کر کے ہی اللہ کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا جتنا جتنا اہلِ ایمان صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے جائیں گے، مزید نصرتِ خداوندی کے مستحق بنتے چلے جائیں گے اور وہ نقد کی نقد حاصل ہوتی رہے گی۔

آگے جو یہ فرمایا کہ یہ پیشگی خوشخبری تو اللہ نے صرف تمھارے اطمینانِ قلب کیلئے دے دی تھی ورنہ اہلِ ایمان کو تو اللہ کی مدد ہمیشہ ہی حاصل ہوتی رہتی ہے۔ اور جب بھی ملتی ہے تو اُس کے خاص خزانۂ فضل و کرم سے ملتی ہے ـــــ تو اس سے موجودہ نہ ملنے کے بعض احمقوں نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ فرشتوں کا نزول نہیں ہوا بلکہ یہ تو صرف مسلمانوں کا دل رکھنے کے لئے ویسے ہی کہہ دیا گیا تھا، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ گویا اُن کے نزدیک اللہ بھی اپنے بندوں کو غچّہ و چکمہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جھوٹ کی باتوں سے اُن کے دل بڑھاتا ہے۔ اگر وہ لوگ کلام کے انداز و اسلوب اور سیاق و سباق پہچانتے ہوئے خوشخبری کے ساتھ لفظ "پیشگی" کو محذوف مان لیتے تو اتنی بڑی بات اُن کے قلم یا زبان سے نہ نکلتی۔ اِس آیتِ مبارکہ میں اللہ کی نصرت کی قطعیّت اور حتمیّت کا وہ انداز ہے جو: ـــــ "وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ" کے مبارک الفاظ میں ہے۔ اللہ کی مدد کا یہ وعدہ حتمی و قطعی بھی ہے اور ابدی و سرمدی بھی۔ یہ مدد نہ صرف بدر و اُحد اور خندق و حنین میں آئی، اب بھی آسکتی ہے بقول علّامہ اقبال مرحوم، کہ: ؎

"آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا ❖ آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا"

اور بقول جگر مُرادآبادی: ؎

"چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا مزاج اب بھی ❖ چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی"

اصحابِ بدر پر اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی فضل ہوا وہ یہ کہ انہیں عین موقع پر، جنگ کے وقوع سے

قبل اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانی نصرتِ خداوندی کی فوری یقین دہانی بھی حاصل ہوئی۔ اور یہ ہے وہ چیز جس کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ: "وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ـــــ گویا یہاں جَعَلَهٗ کی ضمیر منصوب اصل واقع کی جانب نہیں بلکہ پیشگی خوشخبری کی جانب اشارہ کر رہی ہے ـــــ رہا فرشتوں کا نزول، تو اگر کوئی فرشتوں کے وجود ہی کا منکر ہو تو بات دوسری ہے۔ اِس صورت میں اُسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے، اور اگر اُن کے وجود کو تسلیم کیا جائے تو ان کے نزول میں کون سی قباحت یا تعجب کی بات ہے؟ صادق الایمان اور مخلصین لہُ الدّین کی کیفیت کے حامل لوگوں پر تو یہ نزول ہوتا ہی رہتا ہے، بفحوائے الفاظِ قرآنی: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ ("بے شک وہ لوگ جو کہیں کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور اس پر جم جائیں اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غمگین ہو، بلکہ خوشخبری حاصل کرو اُس جنّت کی جس کا تم سے وعدہ ہے!") ـ یہی خوشخبری تھی جو غزوۂ بدر سے قبل آنحضورؐ کی وساطت سے اہلِ ایمان کو دے دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے دین کے لئے ایثار و قربانی کی توفیق عطا فرمائے اور ان خوشخبریوں کا مصداق بنائے، آمین یاربّ العٰلمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

ضرور مطالعہ فرمائیں

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مقصدِ بعثت اور انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج

تالیف: ڈاکٹر اسرار احمد

صفحات: ۶۴ - سفید کاغذ - عمدہ طباعت - قیمت فی نسخہ: تین روپے

اسلام کا نظام محاصل

از : ڈاکٹر اسرار احمد

یہ مقالہ بتاریخ ۱۱ جنوری ۷۹ء ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل لاہور میں جسٹس ذکی الدین پال صاحب کی صدارت میں منعقدہ لائنز کلب لاہور کے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا

اَحمدہٗ واصلی علیٰ رسولہ الکریم ، اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محترم صدر مجلس و صدر و اراکین لائنز کلب اور معزز حاضرین !

سب سے پہلے تو میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اس منفرد اور منتخب مجلس کو خطاب کرنے کا موقع دیا۔ میں اسے اپنے لیے ایک اعزاز متصور کرتا ہوں اور اس پر آپ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

البتہ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے گفتگو کے لیے جو موضوع آپ نے دیا ہے اس میں کسی قدر ناانصافی کا معاملہ ہوا ہے، میرے ساتھ بھی اور موضوع کے ساتھ بھی۔ اس لیے کہ میں نہ معاشیات کے میدان کا آدمی ہوں نہ مالیات کا اور محاصل کا مسئلہ نہایت فنی نوعیت کا حامل اور بے حد پیچیدہ ہونے کے علاوہ بیک وقت معاشیات و مالیات دونوں سے متعلق ہے۔ ایک ایسا ہی لطیفہ حال ہی میں اور بھی ہوا ہے اور وہ یہ کہ جناب سید نزہت بخاری صاحب (چیف ایگزیکٹو حیدری انٹرنیشنل فائی نینس لمیٹڈ نے حال ہی میں ایک مقالہ پڑھا جس کا موضوع تھا۔ "TAX ON INCOME VS. TAX ON PRODUCE AND POSSESSION." لیکن لطیفہ یہ کہ یہ مقالہ پیش کیا گیا پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ فلسفہ کی شعبہ جاتی انجمن یعنی مجلس فلسفہ کے عہدیداروں کی حلف برداری کی تقریب میں۔ گویا وہاں موضوع کے اعتبار سے مقرر درست تھا لیکن

سامعین غلط تھے۔ یہاں مقرر تو یقیناً بالکل غلط ہے، البتہ سامعین کے بارے میں میں کچھ کہہ نہیں سکتا!۔ بہرحال میں نے یہ گمان کیا کہ میرا انتخاب موضوع کے جزو ثانی کے اعتبار سے ہوا ہے یعنی "SYSTEM OF TAXATION IN ISLAM" میں سے مجھ پر نگہ انتخاب اسلام کے ایک ادنیٰ خادم اور قرآن حکیم کے حقیر طالبعلم ہونے کی بنا پر پڑی ہے اور میرے لیے یہ بھی یقیناً ایک بڑا اعزاز ہے۔ بہرحال میں کوشش کروں گا کہ اصل روح دین اور نظام اسلام دونوں کے اعتبار سے اسلام میں نظام محاصل کے بارے میں جو کچھ میں سمجھ پایا ہوں، آپ کے سامنے رکھ دوں!

"TAXATION IN ISLAM" کے الفاظ سے آپ سے آپ جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس اصطلاح کے وضع کرنے والوں کے نزدیک اسلام ایک ایسے نظام معیشت کا علمبردار ہے جس میں ذاتی ملکیت (PRIVATE OWNERSHIP) اور آزاد معیشت (FREE ENTERPRISE) کو اصول موضوعہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لیے کہ اجتماعی یا قومی ملکیت کے اصول پر مبنی نظام معیشت میں تو سب کچھ حکومت ہی کی ملکیت پر ہوتا ہے لہٰذا محاصل کا مسئلہ ہی پیدا نہیں ہوتا!

میں آغاز گفتگو ہی میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ مفروضہ جزواً تو درست ہے کلیتہً صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے اور اُس سے پوری حقیقت سامنے نہیں آتی!

میرے نزدیک نظام معاش کے اعتبار سے اسلام کے دو رُخ یا دو پہلو ہیں، اور یہ دونوں ایک دوسرے پر بہت حد تک INTER-DEPENDENT ہیں۔ اور اسلام کی برکات و ثمرات کا کامل ظہور ان دونوں کے اتصال و اجتماع سے ہو سکتا ہے اور یہ کہنا ہرگز غلط نہ ہوگا کہ اگر ان میں سے ایک پہلو نگاہوں سے اوجھل رہ جائے اور توجہ صرف ایک ہی پر مرتکز ہو جائے تو اس سے جو تصویر سامنے آئے گی وہ بہت بعید از حقیقت ہوگی۔ ان دو پہلوؤں سے میری مراد یہ ہے کہ اسلام کا ایک اخلاقی و روحانی نظام ہے۔ اور دوسرا قانونی و فقہی نظام، ان دونوں کے تقاضے بسا اوقات مختلف ہی نہیں متضاد ہوتے ہیں، تاہم ان دونوں کے امتزاج ہی سے اسلام کا کامل نظام وجود میں آتا ہے۔ آپ چاہیں تو ان دونوں پہلوؤں کو "دعویٰ" (THESIS) اور "جواب دعویٰ"

(ANTI - THESIS) سے تعبیر فرمائیں اور ان دونوں کے امتزاج کو SYNTHESIS قرار دے لیں، بہرحال ان کے وجود سے انکار ممکن نہیں ہے! ایک چھوٹی اور سادہ سی مثال سے بات واضح ہو جائے گی۔ کوئی شخص آپ کے ایک تھپڑ مار دے تو اگر آپ بالکل عاجز و کمزور نہیں ہیں اس لیے کہ اس صورت میں تو "قہر درویش برجانِ درویش" کے سوا اور کوئی صورت قابلِ عمل ہی نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس اگر آپ بدلہ لینے پر قادر ہیں تو آپ کے سامنے دو راستے کھلے ہیں۔ ایک یہ کہ آپ بدلہ لیں اور۔ دوسرے یہ کہ آپ معاف کر دیں۔ اسلام کا قانونی و فقہی نظام بدلے اور قصاص کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ" یعنی "اے ہوشمندو! تمہارے لیے قصاص ہی میں زندگی ہے!" لیکن دوسری طرف اسلام کی اخلاقی و روحانی تعلیمات ہیں جن کا تقاضا یہ ہے کہ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیا جائے، چنانچہ کہیں ارشاد ہوتا ہے کہ "وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" یعنی "اگر معاف کر دو تو یہ تقویٰ اور خدا ترسی سے قریب تر ہے"۔ کہیں تشویق و ترغیب کے انداز میں فرمایا جاتا ہے "وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ" یعنی "وہ لوگ جو غصہ کو پی جائیں اور لوگوں کو معاف کر دیا کریں!"۔ دیکھ لیجئے کہ عفو و قصاص ایک دوسرے کی بالکل ضد ہیں، لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ انسانی معاشرہ ان میں سے صرف ایک پر استوار ہو سکتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے مقام و محل پر لازم و ناگزیر ہیں اور حسنِ معاشرت ان دونوں کے امتزاج ہی سے وجود میں آتا ہے۔

اسی پر قیاس کر کے سمجھ لیجئے کہ اسلام کے معاشی نظام کے بھی دو پہلو ہیں، چنانچہ ایک جانب اسلام کا قانونی اور فقہی نظام معیشت ہے جس کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ایک نوع کی محدود سرمایہ داری (CONTROLLED CAPITALISM) ہے۔ اس لیے کہ اس میں انفرادی سرمایہ کاری کی اجازت موجود ہے۔ اگرچہ اسے "سرمایہ داری" بننے سے بعض تحدیدی اقدامات نے روک دیا ہے۔ دوسری جانب اسلام کا اخلاقی و روحانی نظامِ معیشت ہے جس کے بارے میں میں پورے انشراح صدر سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک نہایت اعلیٰ قسم کی روحانی اشتراکیت (SPIRITUAL SOCIALISM) ہے، اور ایسا کامل سوشلزم ہے کہ اس سے آگے کا تصور بھی ممکن نہیں اس لیے کہ سوشلزم یا کمیونزم میں تو پھر بھی انسانی ملکیت

کا اثبات موجود ہے اگرچہ انفرادی نہیں اجتماعی ـــ لیکن اسلام اپنی اخلاقی و روحانی اور صحیح تر الفاظ میں ایمانی تعلیم کی رُو سے انسانی ملکیت کی کُلّی نفی کرتا ہے، چنانچہ قرآنِ حکیم میں بار بار یہ الفاظ آتے ہیں کہ "لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ان سب کا مالک صرف اللہ ہے!" انسان کسی اور شئے کا مالک تو کیا ہوگا ـــ خواہ وہ زمین ہو، مکان ہو، ساز و سامان ہو، روپیہ پیسہ ہو، وہ تو خود اپنا اور اپنے وجود کا مالک بھی نہیں، اس کے ہاتھ پاؤں، اعضاء جوارح اور جسم و جان اور اس کی کُل توانائیاں سب اللہ کی ملکیت ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ان کا امین ہوں بقول شیخ سعدیؒ ؎

"ایں امانت چند روزہ نزد ماست ؛ در حقیقت مالکِ ہر شئے خدا ست"

یا بقول علامہ اقبالؒ ـ

"رزقِ خود را از زمیں بُردن رواست ؛ ایں متاعِ بندہ و مِلکِ خدا ست!!"

اسلام کے اس روحانی سوشلزم کی رُو سے جس کا آغاز انسانی ملکیت کے تصوّر کی کُلّی نفی سے ہوتا ہے، اس دُنیا میں انسان کا حق صرف اس کی ضروریات ہیں اور بس !!! ـــ ضرورت سے زاید اس کے پاس جو کچھ ہے اس پر اس کو قانونی و فقہی حق حاصل ہو تو ہو حقیقی حق کوئی حاصل نہیں ـ یہ دراصل دوسروں کا حق ہے جسے اللہ نے صرف بطورِ امتحان اِس کے تصرّف میں دیدیا ہے تاکہ دیکھے کہ آیا وہ اسے حقداروں تک پہنچا کر اور "حق بحقدار رسید" والا معاملہ کرکے سُرخ رُو ہوتا ہے یا دوسروں کے حق پر قبضۂ مخالفانہ جما کر بیٹھ رہتا ہے اور اِس "قدرِ زاید" کے بل پر ابنائے نوع پر دھونس جماتا ہے اور شادیوں اور دوسری تقریبوں میں اس غصب شدہ دولت کو اللّوں تللّوں میں اُڑا کر محروموں کے زخمی دلوں پر اور نمک چھڑکتا ہے !! ـــ اب جن کے دلوں میں ایمان واقعتاً راسخ ہوجاتا ہے اور اللہ اور آخرت پر ان کا یقین محکم قائم ہوجاتا ہے اور ان کی نگاہ ہر دم "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!" پر جمی رہتی ہے ان کی روش لامحالہ یہی ہوتی ہے جس کو قرآن نے واضح کیا ان الفاظ میں کہ "یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ!" ـــ یعنی "(اے نبی) وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں یعنی اللہ کی راہ میں کس حد تک دے ڈالیں کہہ دیجئے جو بھی زاید از ضرورت ہو!" ـــ اور جس کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کیا اپنے

اس شعر میں کہ ؎ " جو حرفِ "قل العفو" میں پوشیدہ تھی اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار!"

پھر یہ بھی کہ اسے اپنا کوئی احسان نہ سمجھو، بلکہ یہ تو تھا ہی دوسروں کا حق بفوائے الفاظ قرآنی " وَفِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ!" — " ان کے مالوں میں معین حق ہے سائلوں اور محروموں کا!" اور " وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ" — اور ادا کرو قرابت داروں اور مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق!

۔اس کے برعکس جو لوگ اس کائنات اور خود اپنی ذات و حیات کی اصل حقیقتوں سے بالکل بے خبر ہو کر زندگی بسر کرتے ہیں ان کی روش ہوتی ہے دوسری ۔جس کا اوّلین نتیجہ ہے اسراف اور انتہائی منزل ہے تبذیر!! — اسراف کہتے ہیں جائز ضرورتوں پر ضرورت سے زاید خرچ کرنے کو اور یہ بھی بہت معیوب ہے — جبکہ تبذیر ہے بالکل بلاضرورت صرف نمود و نمائش اور اللّوں اور تلّلوں میں روپیہ اڑانا اور یہ وُہ جرم ہے جس کے مرتکبوں کو شیطان کے بھائی قرار دیا گیا — بفوائے الفاظ قرآنی " إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ!" یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ من ذالک ۔

الغرض اسلام کی روحانی و اخلاقی — یا ایمانی تعلیمات کا حاصل اعلیٰ ترین اور عظیم ترین اور ہر اعتبار سے کامل ترین SPIRITUAL SOCIALISM ہے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے ۔دوسرے رُخ کے اعتبار سے اسلام کا نظامِ معیشت یقیناً ایک CONTROLLED CAPITALISM ہے۔ اس لیے کہ اسلام قانونی و فقہی اعتبار سے افراد کو زمین، مکان، ساز و سامان حتیٰ کہ ذرائع پیداوار تک پر ایسا حقِ تصرّف عطا کرتا ہے جو کم از کم ظاہری اعتبار سے حقِ ملکیت سے کامل مشابہت رکھتا ہے ۔یہاں تک کہ یہ حقِ تصرّف یا حقِ ملکیت وراثتہً اولاد و احفاد کو منتقل بھی ہو سکتا ہے — الغرض، اپنے قانونی و فقہی نظام میں اسلام نے انسان کے جبلّی تقاضوں کو تمام و کمال ملحوظ رکھا ہے اور نجی ملکیت (PRIVATE OWNERSHIP)، ذاتی حوصلہ مندی (PERSONAL INCENTIVE) اور آزاد معیشت FREE INTERPRISE کے اصولِ سہ گانہ کو قانونی سطح پر برقرار رکھ کر "سرمایہ کاری" کے لیے وسیع میدان پیدا کر دیا ہے البتہ اس ضمن میں بعض نہایت اہم اور بنیادی اور حد درجہ مؤثر احتیاطی تدابیر ایسی اختیار کی ہیں

جن کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں "صحتمند سرمایہ کاری" کی فضا تو قائم رہے، لیکن یہ "سرمایہ داری" کی صورت اختیار نہ کرلے۔ ان احتیاطی تاکیدی تدابیر کے بارے میں تفصیلی بحث میری موجودہ گفتگو کے موضوع سے خارج ہے، صرف اشارۃً عرض کرسکتا ہوں کہ سود یعنی INTEREST ۔۔۔ سٹہ یعنی SPECULATION اور احتکار یعنی HOARDING وغیرہ کی حرمت کی اصل غرض وغایت یہی ہے جو میں نے بیان کی یعنی سرمایہ کاری، سرمایہ داری نہ بن جائے، اور CAPITALISM بہرحال CONTROLLED رہے، ۔۔۔ البتہ اس حقیقت سے انکار صرف ہٹ دھرمی ہی سے کیا جاسکتا ہے کہ سرمایہ کاری خواہ کتنی ہی پابندیوں نہ ہو فرق وتفاوت کو لازماً جنم دے گی اور اس سے اغنیاء (HAVES) اور فقراء (HAVE-NOTS) کا وجود میں آنا ناگزیر ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی دوڑ میں دس افراد شریک ہوں اور خواہش یہ ہو کہ وہ سب برابر رہیں نہ کوئی آگے بڑھے نہ پیچھے رہے تو اس کی تو ایک ہی صورت ممکن ہے، یعنی یہ کہ ان سب کو ایک رسّے سے باندھ دیا جائے۔ بصورت دیگر تو لامحالہ کوئی آگے بڑھے گا اور کوئی پیچھے رہ جائے گا! گویا اسلام کے قانونی وفقہی نظام میں 'جبری مساوات' (FORCED EQUALITY) کا کوئی وجود نہیں ہے ۔۔۔ لیکن اتنی ہی بڑی اور اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اسلام کے نظام محاصل میں اسی فرق وتفاوت کے مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کے مقصد کو اوّلین اور مقدّم ترین اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اغنیاء اور فقراء کی تقسیم کو اعتباری یا عارضی یعنی ARBITRARY نہیں رہنے دیا بلکہ اس کے لیے ایک باقاعدہ و باضابطہ حدّ فاصل کھینچ دی ہے جسے اصطلاح شرع میں 'نصاب' کہتے ہیں جس کا تعین اموال کی تقریباً تمام بڑی بڑی صورتوں میں کر دیا گیا ہے۔ مثلاً ساڑھے سات تولے یا اس سے زائد سونے کا مالک اغنیاء میں شمار ہوگا، اور ساڑھے سات تولے سے کم رکھنے والا فقراء میں سے اور اسلام کے نظام محاصل کا اہم رکن یعنی زکوٰۃ اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی بقول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِهِمْ"! اور اس طرح وہ تمام تقاضے بتمام وکمال اور باحسن وجوہ پورے ہوجاتے ہیں جنہیں اس دور میں 'اجتماعی ضمانت' ۔۔۔ (SOCIAL SECURITY) یا 'اجتماعی تحفظ' (COLLECTIVE INSURANCE)

سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اس سب پہ مستزاد ہے وہ روحانی و اخلاقی اور ایمانی و احسانی تعلیم جو اسلام اپنے ہر ماننے والے اور قرآن اپنے ہر پڑھنے والے کو مسلسل دیتا ہے کہ لذاتِ دنیوی اور تعیّش و تنعّم سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اپنی ضروریات کو کم سے کم کرو، اور حقیقی اور واقعی ضروریات سے جو بھی زاید ہو اسے اللہ کی راہ میں دے دو اور یہ نہ سمجھو کہ مال میں واحد حق زکوٰۃ ہی ہے۔ یہ تو کم از کم اور ناگزیر قانونی ضابطہ ہے۔ ایمان کا اصل تقاضہ و مطالبہ اس سے بہت آگے ہے۔ بموجب فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "فِی الْمَالِ حَقٌّ سِوَی الزَّکٰوۃ" مال میں زکواۃ کے علاوہ بھی بہت سے حقوق ہیں ــ اور اچھی طرح جان لیجئے کہ نظامِ اسلامی کا اصل حُسن و جمال اور اس کی اصل برکات اُس کی اسی دوسری اور تکمیلی تعلیم و تلقین میں مُضمر ہیں!! ــ

اسلامی نظم مملکت میں نظامِ محاصل کے بارے میں ایک اہم اور اصُولی بات اور بھی ہے جو مدّنظر رہنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اسلامی ریاست اصلاً ایک نظریاتی ریاست ہے اور اگرچہ اس کی حدود میں بسنے والے تمام شہری بلا امتیاز مذہب و ملّت بعض اعتبارات سے بالکل مساوی بھی ہیں جیسے حُرمتِ جان و مال میں تاہم بہت سے اعتبارات سے شہریوں کا دو حصّوں میں منقسم ہونا لازم و لابد ہے۔ یعنی ایک وہ جو اس نظریئے کو ماننے والے ہوں جس پر ریاست قائم ہے اور دوسرے وہ جو اسے نہ مانتے ہوں ــ، چنانچہ اسلام کے نظامِ محاصل کے اعتبار سے بھی ایک اہم اور بنیادی تقسیم اسی اعتبار سے ہے کہ بعض کی ادائیگی صرف مسلمانوں پر ہے یعنی اسلامی ریاست کے اصول و مبادی کے ماننے والوں پر اور بعض کی غیر مسلموں پر یعنی ان پر جو ان اصُولوں کو نہیں مانتے، پھر یہ کہ ان دونوں کی نوعیت میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے اور ان کے مداتِ صرف میں بھی اساسی اور بنیادی فرق ہے۔

چنانچہ مُسلمانوں سے نقدی کی تمام صورتوں اور اموالِ تجارت پر زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے جس کی شرح کُل مالیت کا ۲½ فی صد ہے، ان کی زرعی اراضی میں سے نہری یا چاہی زمینوں کی کل پیداوار کا بیسواں حصّہ وصول کیا جاتا ہے یعنی ۵ فی صد ــ اور بارانی زمینوں کی پیداوار سے کُل کا دسواں حصّہ وصول کیا جاتا ہے یعنی دس فی صد ــــ اور ان دونوں کی نوعیت TAX کی نہیں ہے بلکہ اصلاً عبادت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شرح

بھی بالکل معیّن ہے جس میں کسی ردّ و بدل کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ ان کی حیثیت عبادت کی نہیں رہے گی بلکہ صرف ایک TAX کی رہ جائے گی۔ اسی طرح ان کی مدّاتِ صَرف بھی معیّن ہیں، ان کے علاوہ کسی مَدّ میں انہیں صرف نہیں کیا جاسکتا۔ جن کا مجموعی حاصل وہ اجتماعی ضمانت یا سماجی تحفظ ہے جس کا ذکر اُوپر ہوچکا ہے!

اس کے برعکس غیر مسلموں کے اموال سے جزیہ وصُول کیا جاتا ہے اور ان کی زمینوں سے 'خراج' اور ان دونوں کی حیثیت خالصتہً TAX کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کوئی شرح بھی معیّن نہیں، ان کا تعیّن حکومتِ وقت کی صوابدید پر ہے اور اسی طرح ان سے حاصل شدہ رقوم کے صرف پر بھی کوئی پابندی نہیں، جملہ شعبۂ ہائے حکومت کے اخراجات اور نظم و انصرام مملکت کے تمام تقاضے ان سے پُورے کئے جاسکتے ہیں۔

اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک اور شعبہ جس کی شرح معیّن ہے، وہ اموالِ خُمس ہیں یعنی پانچواں حصّہ یا بیس فی صد جو اموال غنیمت، کنز یعنی دفینے، اور رکاز یعنی معدنیات سے وصول کیا جاتا ہے۔ ان کی جس طرح شرح وصولی زکوٰۃ وعشر کی طرح معیّن ہے اس طرح مدّاتِ صَرف بھی صرف وہی ہیں جو زکوٰۃ اور عشر کی — اس فہرست میں صرف ایک اور شق کا اگر اضافہ کرلیا جائے تو ایک پہلو سے بات مکمل ہوجائے گی اور وہ یہ کہ زکوٰۃ اور عُشر کے علاوہ جو صدقاتِ نافلہ مسلمان اپنی مرضی سے فی سبیل اللہ دیں اُن کے بارے میں انہیں اختیار ہے کہ چاہے از خود فقراء و مساکین میں تقسیم کردیں چاہے اسلامی حکومت کے حوالے کردیں (بخلاف زکوٰۃ اور عُشر کے کہ وہ لازماً حکومت ہی کو ادا کرنے ہوں گے!) اگر وہ ایسی رقوم بھی حکومت کے حوالے کردیں تو وہ بھی صرف ان ہی مدّات میں صرف ہوں گی جن میں زکوٰۃ اور عشر کی رقوم کا صَرف جائز ہے۔

اس کے بعد نمبر آتا ہے اسلامی حکومت کے عام محاصل کا جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ فَے یعنی وہ اموال جو غیر مسلموں سے جنگ کے سوا کسی اور طریق سے حاصل ہوں۔ اپنی اصل کے اعتبار سے جزیہ اور خراج بھی فَے ہی کی قسمیں ہیں، لیکن عرف عام میں یہ لفظ ان اموال پر بولا جاتا ہے جو حاصل تو متحارب غیر مسلموں (یعنی HOSTILE NON-MUSLIMS) سے ہوئے ہوں لیکن اُن میں فی الواقع جنگ اور خونریزی کی نوبت نہ آئی ہو۔

۲۔ کراء الارض یعنی حکومت کی مملوکہ اراضی سے حاصل شدہ لگان۔

عُشور یا درآمدی و برآمدی محصولات جس کے بارے میں ایک زمانے میں شرح کا تعین کچھ اس طرح ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کے اموال میں سے ۲½ فیصد اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں کے اموال میں سے پانچ فیصد اور دوسرے غیر مسلموں سے دس فی صد لیا جاتا تھا۔ لیکن یہ شرحیں کسی نص پر مبنی نہیں ہیں اور ان میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے جس میں ظاہر ہے درآمد و برآمد کے کاروبار کا توازن اور عالمی منڈی کے اتار چڑھاؤ کو اصل دخل حاصل ہوگا!

۴۔ ضرائب یعنی وہ مزید TAX جو حکومت حسبِ ضرورت شہریوں پر عاید کر سکتی ہے۔ عام حالات میں بھی اگر دفاع اور نظم مملکت کی ضروریات اور فقراء کی احتیاجات مندرجہ بالا تمام مدّوں سے پوری نہ ہو رہی ہوں اور خاص اور ہنگامی حالات میں بھی جیسے زمانہ جنگ یا قحط سالی یا کسی عمومی DEPRESSION کے باعث عام بے روزگاری وغیرہ۔ ایسی خاص صورتوں میں اسلامی حکومت کو اغنیاء پر TAX لگانے کا غیر محدود اختیار حاصل ہے۔

۵۔ اموالِ فاضلہ یعنی متفرق آمدنی جیسے کوئی شہری اگر لاوارث فوت ہو تو اس کی کل جائیداد اسلامی حکومت کی ملکیت قرار پاتی ہے، اسی طرح کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کا کل مال بھی بیت المال میں داخل ہو جاتا ہے اور اگر کوئی غیر مسلم شہری بغاوت کا مرتکب ہو جائے تو اس کی کل میراث بھی اسلامی حکومت کا حق ہے۔

۶۔ اوقاف وقف اگر کسی خاص مقصد اور متعین مقصد کے لیے ہوں تو ان کی آمدنی انہی مصارف پر خرچ ہوگی، لیکن اگر کوئی شہری عام فی سبیل اللہ وقف کرتا ہے تو گویا وہ اسلامی حکومت کی ملکیت شمار ہوگا اور اس کی کل آمدنی بیت المال میں شامل کی جائے گی۔ ان میں سے فَے، اموالِ فاضلہ اور عام اوقاف تو کُل کے کل بیت المال میں داخل ہوں گے، البتہ ان کے ضمن میں کسی خرچ کی ذمہ داری نہیں ہوتا۔ البتہ کراء الارض، ضرائب اور عشور کی حیثیت TAXES

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین"

تالیف امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ الدھلوی رح

کا ایک اہم خطاب

مآثر جمیلہ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ترجمہ

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مدظلہ

(۱) اُن میں سے پہلی خوبی: آپؓ کی قوتِ نسبت اور براعتِ جمال و وجاہت ہے۔ حضرت ابوعمر نے استیعاب میں اور مصعب زبیری، ماہر علم الانساب نے کہا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو عتیق اس لئے کہتے تھے کہ ان کے نسب میں کوئی عیب نہیں تھا۔ اور اللیث بن سعد نے کہا کہ ان کو عتیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بہت صاحب جمال تھے اور وہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی قوم کے رئیس تھے اور زمانۂ جاہلیت میں اشتاق بھی انہی سے متعلق تھا یعنی دیت خون بہا کی رقم کا تعین کرتے تھے اور مجرم کی طرف سے اگر وہ ضمانت دے دیتے تھے تو سب کو اطمینان ہوجاتا تھا۔ نیز انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب نہیں پی ان کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بھی شراب اپنے اوپر حرام کرلی تھی۔

۲۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ آپؓ تمام قوم قریش میں علم انساب کے سب سے زیادہ ماہر تھے اور ان کی تاریخ سے بھی واقف تھے۔ جبیر ابن مطعم جو قریش کے حسب و نسب سے بخوبی واقف تھے، کہا کرتے تھے کہ میں نے یہ علم حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حاصل کیا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ کا نام عبداللہ تھا۔ اور ان کا لقب عتیق تھا کیوں کہ انکا چہرہ بہت خوبصورت تھا۔ ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں سب کو محبوب تھے۔ اور قریش کے

حسب نسب سے بخوبی واقف تھے۔ وہ تاجر تھے اور اپنے اخلاق حسنہ کی بنا پر معروف تھے اور ان کی قوم کے افراد ان کے حسن خلق کی وجہ سے ان کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ اور ان کی مجلس میں اچھی باتیں ہوا کرتی تھیں۔

حضورؐ کے دعوئے نبوت سے پہلے بھی ابوبکرؓ، آنحضرت صلعم کے ساتھ بہت محبت کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب آنحضرت صلعم بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ تجارتی سفر پر گئے جب بمقام بصریٰ پہنچے تو وہاں ایک راہب نے جس کا نام بحیرہ تھا، آنحضرت صلعم کو بغور دیکھا تو آپؐ میں وہ نشانیاں پائیں جو اس کی کتب سماوی میں نبی آخرالزماں کے بارے میں مرقوم تھیں، اس لئے اُس نے کہا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں مجھے بتاؤ کہ اس لڑکے کا ولی کون ہے؟ ابوطالب نے کہا میں اس کا ولی ہوں۔ چنانچہ ابوطالب نے آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھیجا اور اس راہب نے آپؐ کو کعک (روغنی روٹی) اور زیتون بطور زادِ راہ دیا۔

(۲) جب حسّان ابن ثابت نے قریش کی ہجو کا ارادہ کیا۔ (کیونکہ وہ لوگ آپؐ کی ہجو کراتے تھے) تو آپؐ نے حسّان سے کہا کہ تم قریش کی ہجو کیسے کر سکو گے جبکہ میں خود انہی میں سے ہوں؟ مثلاً تم ابوسفیان کی ہجو کیسے کر سکو گے جبکہ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے؟

حسّان نے کہا "آپ مطمئن رہیں میں آپؐ کو ان میں سے اس طرح نکال لونگا جس طرح آٹے میں سے بال کو نکال لیا جاتا ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "اچھا تو ابوبکرؓ سے مشورہ کرو کیونکہ وہ تمہارے مقابلے میں قوم کے نسب سے زیادہ واقف ہیں۔ چنانچہ حسّان، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے کہا فلاں فلاں افراد سے صرف نظر کرو یعنی انکا ذکر مت کرنا، اور فلاں فلاں افراد کا ذکر کرنا۔ پس حسّان قریش کی ہجو میں مشغول ہو گئے۔ جب قریش نے حسّان کے اشعار سُنے تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ اشعار ہیں جو ابن ابی قحافہ کی مدد سے کہے گئے ہیں۔

۲۔ جب آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو احرار بالغین میں سے جو شخص سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لایا وہ حضرت ابوبکرؓ تھے اور اس بات پر سب مورخین کا اتفاق ہے ہاں وہ اس امر میں مختلف الرائے ہیں کہ اوّلِ مطلق کون ہے؟ ابوبکرؓ

یا علیؓ ؟ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ علی صغیر السن (طفل) تھے اور آنحضرت صلعم کی کفالت میں تھے - چنانچہ سیرت ابن اسحاق میں اسکی وضاحت موجود ہے - بعض نے حضرت خدیجہؓ اور زید ابن حارثہ کا نام لیا ہے - یہ فقیر (مصنف رح) اس جگہ ایک نکتہ بیان کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّلیت کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کس شخص کو سب سے پہلے سرکارؐ کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کا شرف حاصل ہوا نیز یہ کہ بالغ افراد میں کون سب سے پہلے اسلام لایا (کیونکہ طفل نابالغ کا اسلام یا ایمان عندالعقل معتبر نہیں ہو سکتا) پس یہ فضیلت صرف ابوبکرؓ کو حاصل ہے کہ بالغ مردوں میں وہی سب سے پہلے اسلام لائے ؟

عمر سے جو عفیرہ کے غلام ہیں، مروی ہے کہ محمد بن کعب القرظی سے پوچھا گیا کہ پہلے کون اسلام لایا ؟ ابوبکرؓ یا علیؓ ؟ تو انہوں نے کہا کہ علیؓ سب سے پہلے اسلام لائے لیکن یہ امر لوگوں پر اس لئے مشتبہ ہو گیا کہ انہوں نے ابوطالب سے اپنا اسلام مخفی رکھا اور جب ابوبکرؓ اسلام لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا -

ابراہیم نخعی راوی ہیں کہ جو شخص سب سے پہلے اسلام لایا وہ ابوبکرؓ ہیں - نیز شعبی راوی ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ کون شخص سب سے پہلے اسلام لایا ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ کیا تم نے حسان ابن ثابت کا یہ قول نہیں پڑھا ؟

"اے مخاطب ! جب تو اپنے کسی نیک بھائی کا تذکرہ کرنے لگے تو سب سے پہلے اپنے بھائی حضرت ابوبکرؓ کا ذکر خیر کر - بوجہ اُن کارہائے خیر کے جو انہوں نے کئے -

"وہ مخلوقات میں سب سے اچھے ہیں (خیر البریہ) اور ان میں سب سے زیادہ متقی ہیں اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں، مگر نبیؐ کے بعد - اور انہوں نے جو کچھ کیا اُسے درجۂ کمال کو پہنچا دیا -

اور وہ آپؐ کے ثانی ہیں اور آپؐ کے بعد (دوسرے) ہیں اور محمود ہیں اپنے مقام کے اعتبار سے اور انسانوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے آنحضرتؐ کی تصدیق کی"

جریر نے ابی نضرۃ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا

کہ میں تم سے پہلے ایمان لایا تھا - نیز حضرت ابوبکرؓ نے بغیر طلب معجزہ و بغیر تامل آپؐ کی تصدیق کی تھی - چنانچہ آنحضرت صلعم نے فرمایا - دعوا لی صاحبی الخ یعنی میرے رفیق کو میرے ہی لئے رہنے دو (تم لوگ اُن سے کوئی تعرض یا بحث مت کرو) کیونکہ جب تم لوگوں نے (اشارہ بجانب قریش) میری تکذیب کی تو ابوبکرؓ نے میری تصدیق کی -

ازاں جملہ یہ بات ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں جبکہ وہ ضعیف بھی تھا اور غریب بھی، حضرت ابوبکرؓ سے تین مآثر عظیمہ (بڑے نشان) ظاہر ہوئے - اوّل یہ کہ انہوں نے اس نازک دور میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت صحابہؓ اور آنحضرت صلعم کی حمایت میں چالیس ہزار درہم صرف کئے - ہشام ابن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ "جب ابوبکرؓ اسلام لائے تو ان کے پاس پورے چالیس ہزار درہم تھے جو انہوں نے سب کے سب آنحضرت صلعم اور اللہ کی راہ میں صرف کر دیئے - اسی لئے آنحضرت صلعم نے فرمایا "کسی شخص کے مال نے مجھے اس قدر نفع نہیں پہنچایا جس قدر ابوبکرؓ کے مال نے" نیز ابوعمر راوی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "صحبت اور مال کے اعتبار سے تمام انسانوں میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکرؓ کا ہے - نیز بخاری میں ہے کہ مجھ پر کسی کا احسان ایسا نہیں جس کا بدلہ میں نے نہ چکا دیا ہو مگر میں ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکا، صرف اللہ ہی قیامت کے دن ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ عطا فرمائے گا - نیز ترمذی میں ہے "مجھے کسی شخص کی دولت سے اسقدر نفع نہیں پہنچا جس قدر ابوبکرؓ کی دولت سے پہنچا"

دوم یہ کہ قریش کے غلاموں میں سے انہوں نے اُن سات غلاموں کو منہ مانگی قیمت ادا کر کے خرید اور آزاد کر دیا، جو اسلام لے آئے تھے اور اس وجہ سے اُن کے کافر مالک ان پر سختی کر رہے تھے اور جسمانی اذیت پہنچا رہے تھے - چنانچہ استیعاب میں وارد ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن سات غلاموں کو آزاد کیا جو اسلام لانے کی وجہ سے عذاب میں گرفتار تھے اور ان میں حضرت بلالؓ، حضرت عامرؓ اور حضرت فہیرہؓ بھی تھے - نیز عامر ابن عبداللہ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ابو قحافہ نے اپنے بیٹے (ابوبکرؓ) سے کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور غلاموں کو خرید

کر آزاد کر رہے ہو ، یہ بات عقل کے خلاف ہے ، اگر تم طاقت ور غلاموں کو خرید کر آزاد کرو تو یہ لوگ بوقت ضرورت تمہارے کام تو آسکیں گے حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا " اے باپ ! میں جو کچھ بھی کرتا ہوں وہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہوں " پھر انہوں نے (عامر نے) کہا کہ صحابہؓ کہا کرتے تھے کہ یہ آیات حضرت ابوبکرؓ ہی کی شان میں نازل ہوئی تھیں :۔

" فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى (۹۲ - ۵ تا ۶) وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (۹۲ — ۱۷ تا ۲۱)

پس جس نے راہ خدا میں دیا اور پرہیز گاری کا شیوہ اختیار کیا ۔ ۔ ۔ اور جو پرہیز گار ہے وہ آگ سے دور رکھا جائے گا ۔ وہ ایسا دل کا سخی ہے کہ اپنا مال راہ خدا میں دیتا ہے تاکہ اس کا نفس بخل کے عیب سے پاک ہو جائے اور کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں ہے کہ اسے اس احسان کا بدلہ اتارنا مقصود ہو ۔ اس کو تو صرف اپنے پروردگار کی رضا جوئی مطلوب ہے اور اللہ اس سے ضرور راضی بھی ہوگا (ہو جائے گا)

ابن اسحاق سے (سیرت النبیؐ میں) روایت ہے کہ امیہ بن خلف حضرت بلالؓ کو دوپہر کے وقت جب گرمی کی شدت ہوتی گھر سے باہر لے جاتا تھا اور ایک پتھر پر لٹا دیتا تھا اور ایک بڑا پتھر ان کے سینے پر رکھ دیتا تھا اور پھر کہتا تھا کہ میں تجھے اسی حالت میں رکھوں گا یہاں تک کہ تجھے موت آجائے یا تو محمد (صلعم) کا انکار کر کے دوبارہ لات اور عزیٰ کی عبادت کرنے لگے تو اس کے جواب میں بلالؓ احدٌ احدٌ کہتے تھے یعنی اللہ ایک ہے ۔

ایک دن حضرت ابوبکرؓ کا اس طرف گذر ہو گیا جہاں وہ مبتلائے عذاب تھے۔ آپؓ نے امیہ سے کہا " کیا تجھے اس بیگناہ پر سختی کرتے وقت کچھ خوف خدا نہیں آتا ؟ تو مجھ سے اس کے بدلے اس سے زیادہ طاقتور غلام لے لے ۔ امیہ راضی ہو گیا اور آپؓ نے اپنا غلام اسے دیکر بلال کو آزاد کر دیا ۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے انہوں نے سات غلام آزاد کئے تھے اور بلال ساتویں تھے ۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ ایک دن ایک کنیز کے پاس سے گذرے جس کو حضرت عمر ابن خطاب عذاب دے رہے

تھے (کیونکہ وہ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) اور کہتے جاتے تھے کہ میں تجھے مارتے مارتے تھک گیا ہوں اس لئے مارنا بند کرتا ہوں مگر تجھے مارنے سے باز نہیں آؤں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ بات سُنی تو آپؓ نے اس کنیز کو حضرت عمرؓ سے خرید کر آزاد کر دیا۔

سوم اینکہ قریش کے کئی سردار آپؐ کے دست مبارک پر اسلام لائے۔ چنانچہ ابن اسحاق راوی ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لائے تو انہوں نے قریش کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف بلانا شروع کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ اپنی قوم میں بہت معزز تھے اس لئے ان کی تبلیغی کوششوں سے قریش کے کئی سردار مثلاً حضرات عثمان بن عفان اور زبیر ابن العوام اور عبدالرحمن ابن عوف اور سعد ابن ابی وقاص اور طلحہ ابن عبیداللہ رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے (اور یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یہ پانچوں حضرات تمام صحابہ میں ممتاز اور نامور تھے اور پانچوں عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں یعنی وہ دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی بشارت خود آنحضرت صلعم نے ان کی زندگی ہی میں دے دی تھی)

صلہ اور اس جگہ یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے یہ سب حضرات قریش کے نامور سرداروں میں سے تھے اور ہر ایک شخص بڑے طاقتور قبیلے سے تعلق رکھتا تھا پس ان کے اسلام لانے سے قریش کے قبیلوں میں ضعف آگیا اور کفر کی طاقت کمزور ہو گئی اس کی وضاحت یہ ہے کہ:-

حضرت عثمانؓ، اوسط بنی عبدالشمس تھے اور حضرت زبیرؓ، اوسط بنی اسد تھے اور حضرت سعد اور عبدالرحمن اوسط بنی زہرہ تھے اور حضرت طلحہ اوسط بنی تیم تھے۔

ازاں جملہ یہ کہ جب قریش آنحضرت صلعم کو ایذا دینے پر آمادہ ہو گئے بلکہ بالفعل ایذا رسانی شروع کر دی تو یہ حضرت ابوبکر ہی تھے جنہوں نے دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا اور آنحضرت صلعم کی حفاظت اور حمایت کا بیڑہ اٹھایا بلکہ جان کو آنحضرت صلعم کی جان کے لئے وقایہ بنا دیا چنانچہ حضرت اسما بنت ابوبکرؓ راوی ہیں کہ ایک دن جبکہ سردارانِ قریش، خانۂ کعبہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، آنحضرت صلعم حسب معمول وہاں تشریف لائے کہ خانۂ کعبہ کے پاس نماز ادا کریں۔ نماز سے قبل قریش نے آپؐ

سے پوچھا کہ کیا آپؐ نے ہمارے بتوں کے بارے میں ایسا ایسا کہا ہے (مطلب یہ تھا کہ انہیں بُرا کہا ہے) آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے کہا ہے۔ اس پر وہ سب آپؐ کے اوپر پل پڑے اور آپؐ کو مارنا شروع کر دیا۔ پس ایک بلند آواز (چیخ) حضرت ابوبکرؓ تک پہنچی یعنی کسی نے باآواز بلند اُن سے کہا کہ اپنے صاحب ساتھی یا رفیق کی مدد کو پہنچو! یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ گھر سے نکلے اور حرمِ کعبہ میں آئے انہوں نے دیکھا کہ لوگ آنحضرت صلعم کو گھیرے ہوئے ہیں اور زیادتی کر رہے ہیں اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا "تمہارا خانہ خراب ہو! تم پر تباہی نازل ہو! کیا تم ایک بیگناہ شخص کو محض اس لئے قتل کر دو گے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب (خالق اور مالک) اللہ ہے؟ حالانکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟ یہ سن کر انہوں نے رسول اللہ صلعم کو چھوڑ دیا اور سب ملکر حضرت ابوبکرؓ پر پل پڑے۔ پھر وہ کہنے لگیں کہ دشمنوں سے شدید ایذا برداشت کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو لوگ گھر لے کر گئے۔ اُن کے سر پر اسقدر ضربات تھیں کہ اگر کوئی شخص انکا سر چھوتا تھا تو کنپٹی کے بال (غدائر) اس کے ہاتھ میں آجاتے تھے۔ لیکن وہ اس پر بھی یہی جملہ دُہرا رہے تھے۔ تبارکت ربنا وتعالیت یا ذا الجلال والاکرام۔

حضرت عروہ ابن زبیرؓ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا کہ مشرکوں نے حضورؐ کو سب سے بڑی ایذا کون سی پہنچائی؟ اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے عقبہ ابن ابی معیط کو دیکھا کہ وہ حضورؐ کے قریب آیا جبکہ آپؐ خانۂ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے جب آپؐ سجدے میں گئے تو اس نے اپنی چادر آپؐ کی گردن میں لپیٹ کر اسے زور سے کسنا شروع کیا (تاکہ آپؐ کا دم گھٹ جائے) اتنے میں حضرت ابوبکرؓ وہاں آگئے اور انہوں نے عقبہ سے کہا کہ کیا تو ایک بیگناہ شخص کو محض اس بات پر قتل کرنا چاہتا ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا ہے؟ (اخرجہ البخاری)

اور ازاں جملہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دُنیائے اسلام میں مسجد بنائی اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گذرا جبکہ آنحضرت صلعم دونوں وقت (صبح و شام) ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں۔

جب کفار نے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے مکے سے ہجرت کا ارادہ کیا اور فیصلہ کیا کہ حبشہ میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ چنانچہ مکے سے روانہ ہوئے اور جب آپ برک الغماد پہنچے تو ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی جو وہاں کا سردار تھا۔ اس نے پوچھا اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپؓ نے جواب دیا۔ میری قوم نے مجھے ترک وطن پر مجبور کر دیا ہے پس میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں سیاحت کروں گا اور اپنے رب کی عبادت کروں گا (مکے کے کفار علانیہ نماز نہیں پڑھنے دیتے تھے) یہ سن کر ابن الدغنہ نے کہا اے ابوبکر آپ کے مرتبے کا انسان اس طرح اپنے وطن سے نہیں نکل سکتا اور نہیں نکلے گا۔ آپ تو غریبوں کے حامی ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ دوسروں کے لئے تکلیف برداشت کرتے ہیں، مہمان نواز ہیں اور سچی بات کے لئے تکلیف برداشت کرتے ہیں لہٰذا میں آپ کا ہمسایہ یا ضامن بنتا ہوں۔ آپؓ اپنے شہر کو واپس چلیں اور وہاں اپنی مرضی کے مطابق اپنے رب کی عبادت کریں۔ یہ سن کر آپؓ ابن الدغنہ کے ساتھ مکے واپس آگئے اور شام کے وقت ابن الدغنہ نے اشراف قریش سے ملاقات کی اور کہا کہ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ ابوبکر جیسا نیک اور شریف شخص ترک وطن پر مجبور ہو جائے جو صلہ رحمی کرتا ہے، اکرام مہمان کرتا ہے اور مصیبت میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ اس پر انہوں نے ابن الدغنہ سے کہا کہ آپ ابوبکر سے کہہ دیں کہ وہ اپنے مکان کے اندر عبادت کر لیا کریں لیکن قرآن بلند آواز سے نہ پڑھا کریں کیونکہ ہمیں خوف ہے مبادا ہماری خواتین کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں (مطلب یہ ہے) کہ کہیں وہ قرآن سن کر مسلمان نہ ہو جائیں) چنانچہ یہ باتیں ابن الدغنہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو سمجھا دیں۔ انہوں نے گھر میں عبادات اور تلاوت شروع کر دی لیکن چند روز کے بعد انہوں نے اپنے مکان کے صحن میں مسجد بنالی اور اس میں باآوازِ بلند تلاوت شروع کر دی۔ قریش کی عورتیں اور بچے دونوں حضرت ابوبکر کی نماز اور تلاوت کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور جب وہ تلاوت کرتے تھے تو ان پر رقت طاری ہو جاتی تھی وہ تلاوت کے دوران اپنے آنسوؤں کو ضبط نہیں کر سکتے تھے۔ (عورتوں اور بچوں پر اس بات کا اثر مرتب ہوتا تھا) اس لئے قریش نے ابن الدغنہ سے کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کو اس شرط پر عبادت کی اجازت دی کہ وہ بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں مگر انہوں نے مسجد بھی بنالی ہے اور بلند آواز سے تلاوت بھی شروع کر دی ہے اس لئے آپ یا تو انہیں اس فعل سے روک دیجئے یا پھر ان

کی ذمہ داری ختم کردیں کیونکہ ہم آپ سے عہد شکنی کرنا نہیں چاہتے - ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر ابن الدغنہ میرے والد محترم کے پاس آیا اور ماجرا بیان کیا - اس پر حضرت موصوفؓ نے فرمایا کہ میں آج سے تمہارے جوار کو رد کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ کے جوار میں آتا ہوں یعنی آج سے تم ... بلکہ اللہ میرا ضامن اور حمایتی ہوگا) (اخرجہ البخاری)

(۵) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے روم پر غلبۂ ایران کے قصے میں محض اعلاءِ کلمۂ اسلام کے لئے شرط کی تھی جس کی تفصیل یہ ہے -

"عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مسلمان یہ چاہتے تھے کہ رومی، ایرانیوں پر غالب آجائیں (اور مشرکین قریش یہ چاہتے تھے - ایرانی رومیوں پر غالب آجائیں) اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے قریش کے ایک سردار سے شرط کی اور طے ہوا کہ اگر رومی پانچ سال کے اندر غالب آجائیں تو تم مجھے سو اونٹ بطور تاوان دینا - بعدازیں حضرت صدیق اکبرؓ نے اس شرط کا ذکر آنحضرت صلعم سے کیا - آپؐ نے فرمایا "بضع" نو تک کے لئے آتا ہے اس لئے پانچ کے بجائے نو سال کی مدت رکھو - چنانچہ اللہ کے حکم سے رومی غالب آگئے - جیسا کہ اللہ ارشاد فرماتا ہے "غُلِبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ط (۳۰-۱) سفیان نے کہا کہ میں نے یہ سنا کہ وہ یوم بدر یعنی ۲ھ میں غالب آئے -

(۶) ازاں جملہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم جب تک مکے میں رہے روزانہ صدیق اکبرؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے - چنانچہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت جب تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے روزانہ صدیق اکبرؓ کے یہاں تشریف لاتے رہے - کوئی دن ایسا نہیں گذرا کہ آنحضرت صلعم ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں صبح اور شام دونوں وقت (اخرجہ البخاری)

(۷) ازاں جملہ یہ ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے وفات پائی تو حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بیٹی عائشہؓ کو آنحضرت صلعم کے عقد میں دیدیا اور اس باب میں وہ ادب ملحوظ رکھا کہ اس سے بڑھکر متصور نہیں ہو سکتا -

عروہ ابن زبیرؓ کے غلام حبیب کا بیان ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ نے وفات

پائی تو آنحضرت صلعم بہت غمگین رہنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ رفع حزن کے لئے مناسب ہے کہ آپ میری بیٹی عائشہ سے نکاح فرمالیں۔

۔ محمد بن عمرو خود حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں اپنے والد بزرگوار کے متعلقین (عیال) کے ساتھ مدینے آئی۔ آنحضرت صلعم اس وقت مسجد تعمیر کرا رہے تھے اور ہمارے گھر مسجد کے پاس ہی تھے میرے والد حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ آپ بھی اپنے اہل وعیال کے لئے گھر کیوں نہیں بنوا لیتے (مراد یہ تھی کہ آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟) آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ میرے پاس مہر ادا کرنے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلعم کو ساڑھے بارہ اوقیہ بطور ہدیہ پیش کئے۔ اس پر آنحضرت صلعم نے میرے لئے مکان بنوایا اور یہ وہی مکان ہے جس میں اس وقت میں رہتی ہوں (اخرجہ الحاکم)

(۸) اور ازاں جملہ یہ ہے کہ جب معراج متحقق ہوگئی تو سب سے پہلا شخص جس نے اس واقعے کی تصدیق کی وہ حضرت ابوبکرؓ تھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلعم کو بوقتِ شب مسجد اقصیٰ لے جایا گیا تو لوگ اس کے متعلق گفتگو کرنے لگے اور بعضوں نے انکار کیا اور بعض اس پر ایمان لے آئے۔

(۹) ازاں جملہ یہ کہ جب آنحضرت صلعم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تو حضرت صدیق اکبرؓ آپؐ کے رفیق تھے اور آپؓ نے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ اللہ نے آپؓ کو ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کا لقب عطا کیا۔ اور خود آنحضرت صلعم نے اس طرح آپؓ کی ستائش کی کہ "حملنی ابوبکر الی دار الھجرۃ" یعنی ابوبکرؓ مجھے اپنی رفاقت میں دار الھجرت (یثرب) لے گئے اور اس طرح ان کی مدح وثنا تمام اہل اسلام پر ظاہر ہوگئی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں "بے شک نبی اکرم صلعم نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا" میں نے تمہارے دار الہجرۃ کو (بذریعہ کشف صحیح) دیکھ لیا ہے وہ ایسا علاقہ ہے جہاں بہت سے کھجور کے درخت ہیں تو بعضوں نے مدینے ہجرت کی اور بعضوں نے جحفہ سے مدینے ہجرت کی اور جب حضرت ابوبکرؓ نے مدینے کی طرف ہجرت کی تیاری کی تو آنحضرت صلعم نے فرمایا اے ابوبکرؓ! ذرا ٹھیرو! مجھے امید واثق ہے کہ تمہیں بھی میرے ساتھ ہجرت کی اجازت مل جائیگی۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپؐ کو امید ہے؟

آپؐ نے جواب دیا ہاں یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میرے ماں اور باپ آپ پر قربان ہوں" پس حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کی معیت کا انتظار کیا اور انہوں نے اس غرض کیلئے دو اونٹنیاں مخصوص کر دی تھیں چار ماہ پہلے سے اور انہیں خوب اچھی طرح کھلا پلا کر موٹا کر دیا تھا۔

ابن شہاب زہریؒ نے عروہ ابن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنی خالہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سنا کہ ایک دن دوپہر کے وقت آنحضرت صلعم سر مبارک پر مقنع (اوڑھنی) ڈالکر ہمارے گھر تشریف لائے اور والدِ محترمؓ سے کہا کہ اغیار کو یہاں سے ہٹا دو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ گھر میں کوئی غیر نہیں ہے۔ میری زوجہ ہے اور آپؐ کی زوجہ (اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ) ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ہجرت کا اذن مل گیا ہے یہ سن کر والد محترم نے عرض کی میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں کیا مجھے بھی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کی کہ میری دو اونٹنیاں ہیں ان میں سے ایک آپ کی نذر کرتا ہوں" آپؐ نے فرمایا "مگر میں قیمت ادا کرونگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں پس ہم نے ان دونوں کے لئے زادِ سفر تیار کیا اور میری بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے اپنے نطاق (وہ پٹکا جو عورتیں اپنی کمر میں باندھتی ہیں) کا کونا پھاڑا اور اس سے ناشتہ دان کا مونہہ باندھ دیا اور اسی وجہ سے انکا لقب ذات النطاقین ہوگیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس کے بعد رسول اللہ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں داخل ہوگئے اور تین رات وہاں پوشیدہ رہے۔ رات کے وقت عبداللہ ابن ابی بکرؓ ان کے پاس جاتے تھے اور وہ ایک تیز فہم اور ہوشیار جوان تھے۔ صبح کے وقت ان کے پاس سے شہر میں آتے تھے اور قریش سے ملتے جلتے تھے اور رات کو تمام اطلاعات آنحضرت صلعم کو پہنچاتے تھے۔ عامر ابن فہیرہ جو حضرت ابوبکرؓ کے غلام تھے بکریاں چراتے تھے اور رات کے وقت ان کا دودھ غار میں پہنچاتے تھے۔ انہوں نے تین راتوں میں اسی طرح خدمت کی۔ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی الدیل کے ایک شخص کی خدمات اُجرت پر حاصل کیں۔ یہ شخص مجاز میں مختلف راستوں کا ماہر تھا اور اُس نے عربوں کے دستور کے مطابق پانی کے پیالے میں انگلیاں ڈبو کر قسم کھائی کہ وہ رازداری سے کام لے گا پس

تین رات قیام کے بعد دونوں صاحب غار سے نکلے اور ان کے ساتھ عامر ابن فہیرہ بھی تھا اور وہ راہنما بھی - پس انہوں نے ساحلی راستہ اختیار کیا۔
(رواہ البخاری)

(۱۰) ازاں جملہ یہ کہ جب غزوۂ بدر واقع ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ سے مآثرِ عظیمہ ظاہر ہوئے - آپؓ عریش میں ثانیٔ رسولؐ تھے - اور جب آنحضرت صلعم نے اللہ سے دعا کی تو حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو تسلی دی اور کہا یا رسول اللہؐ اب بس کیجیے، آپؐ نے بہت دعا کر لی اللہ یقیناً آپ کی دعا قبول کرے گا - اس فقیر (شاہ ولی اللہؒ) کے نزدیک اس قول کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو اللہ کی طرف سے الہام ہو گیا تھا اسی لئے انہوں نے آپؐ کو تسلی دی اور اللہ نے آپؐ کی دعا قبول کر لی۔ اور یہ صورت اُن واقعات میں سے ہے جبکہ صحابہ کے الہامات نے وحی الٰہی پر سبقت کی - اس کے بعد وحی الٰہی ان کے الہام کے مطابق ہی نازل ہوئی - بلکہ دراصل یہی الہام آنحضرت صلعم کی طرف وحی ہے بایں وجہ کہ جب انہیں الہام ہوا تو آنحضرت صلعم نے اپنی فراست صادقہ کی وجہ سے معلوم کر لیا کہ یہ خیال مدبّرِ سماوات وارض کی طرف سے ہے اور یہ فراستِ وحی، باطنی شی ہے - چنانچہ آپؐ نے اذان کے معاملے میں عبداللہ ابن زید کے خواب اور فاروق اعظمؓ کے قیاس کی تصویب فرمائی - اور لیلۃ القدر میں صحابہ کی ایک جماعت کے خواب پر اعتماد فرمایا - اور اس باب میں یہ سب سے اچھی وجہ ہے - واللہ اعلم بالصواب:

ابن عباسؓ راوی ہیں کہ یوم بدر کے موقع پر آنحضرت صلعم نے اللہ سے دعا کی - اے اللہ! میں تجھے تیرا وعدہ یاد دلاتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے - اے اللہ اگر تو چاہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں تیری عبادت نہ ہو - اس جملے کو سن کر حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا "بس یہ دعا کافی ہے - اس کے بعد آپؐ عریش سے باہر نکل آئے اور فرمایا " یقیناً انہیں (کفار قریش کو) شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے" (اخرجہ البخاری)

اور جب آنحضرت صلعم عریش سے باہر نکل کر کارزار کی طرف متوجہ ہوئے تو آپؐ نے میمنہ (فوج کا دایاں بازو) پر صدیق اکبرؓ کو متعین کیا اور جبرئیل یا میکائیل کو ان کی تائید پر مقرر کیا - حضرت علیؓ راوی ہیں کہ میں قلب لشکر میں تھا کہ شدید آندھی آئی میں نے ایسی تیز ہوا

اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی - کچھ دیر کے بعد وہ آندھی تھم گئی - تھوڑی دیر کے بعد پھر چلنے لگی اور ایسی شدید کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی - تو پہلی آندھی میں جبرئیل ایک ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے تھے اور دوسری آندھی میں میکائیل ایک ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے تھے - وہ رسول اللہ صلعم کے دائیں جانب تھے اور بائیں جانب حضرت صدیق اکبرؓ تھے - پھر تیسری مرتبہ آندھی آئی تو اس میں اسرافیل ایک ہزار فرشتوں کو لیکر آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہوئے - اور میں بھی میسرے (فوج کے بائیں بازو) میں تھا) پس جب اللہ نے دشمنوں کو شکست دی تو آپؐ مجھے اپنے گھوڑے پر لے گئے اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا تو مجھے سکون ہوا -

ابن عباس راوی ہیں کہ بدر کے دن آنحضرت صلعم نے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جبرئیل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام (یا اس کا سر) پکڑے ہوئے ہیں جس پر جنگ کے نشانات ہیں - (بخاری)

جب بدر کے قیدی آئے تو آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے مشورہ کیا انہوں نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا، اور آپؐ نے اسے قبول کیا -

عبداللہ ابن مسعود راوی ہیں کہ جنگِ بدر کے بعد رسول اللہ صلعم نے صدیق و فاروقؓ سے اور دیگر صحابہ سے مشورہ کیا - عبداللہ ابن رواحہ نے کہا کہ وادی میں لکڑیاں بکثرت ہیں لہٰذا آگ روشن کر کے ان سب کو اسمیں ڈال دیا جائے اس پر عباسؓ نے کہا " پھر اللہ بھی تجھ سے نیک سلوک نہیں کرے گا - حضرت عمرؓ نے کہا کہ اُن کے سرداروں اور ہمناؤں نے آپؐ سے جنگ کی ہے اور آپ کو جھوٹا قرار دیا ہے، لہٰذا ان کی گردنیں مار دیجئے - یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ لوگ تمہارے رشتہ دار بھی ہیں اور ہم قوم بھی ہیں" اس کے بعد آنحضرت صلعم نے پھر فرمایا " ان لوگوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے ؟ ان کی مثال ان کے اُن بھائیوں کی ہے جن کے لئے حضرت نوحؑ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ کافروں میں سے کسی کو بھی روئے زمین پر شاد و آباد مت چھوڑ یو - اور حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ اے اللہ ! ان کے اموال کو مٹا دے اور سخت کر دے ان کے دلوں کو (تاکہ ایمان نہ لاسکیں) اور حضرت ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ جو شخص میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو اے اللہ تو غفور اور رحیم ہے - اور حضرت عیسیٰ نے کہا تھا کہ اے اللہ ! اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت کر دے تو،

توعزیز اور حکیم ہے" پھر فرمایا کہ تم لوگ اس وقت مفلس ہو پس مناسب ہے کہ جدا نہ ہو تم میں سے کوئی مگر فدیہ لے کر یا پھر ان کی گردنیں مار دو۔

(۱۱) ازاں جملہ یہ ہے کہ جب غزوہ احد متحقق ہو گیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلعم سے مصائب دور کرنے میں انتہائی کوشش کی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے کہا کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلعم کو پہچان لیا تو آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ گھاٹی کے قریب ابوبکر الصدیقؓ اور عمر بن الخطابؓ اور علی ابن ابی طالبؓ اور طلحہ ابن عبید اللہؓ اور زبیرؓ ابن العوام اور حارث ابن صمۃ اور مسلمانوں کی ایک جماعت بھی جمع ہو گئی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ سے میرے والد بزرگوار نے کہا کہ جب لوگ (حملے کی شدت کی وجہ سے) آنحضرت صلعم سے جدا ہو گئے تو پہلا شخص جو حضورؐ کے پاس واپس آیا، میں تھا اور میرے بعد ابو عبیدہ ابن جراح تھے (اخرجہ الحاکم) اور اس جگہ جولان سے مراد فرار نہیں ہے بلکہ پراگندہ یا منتشر ہو جانا ہے کیونکہ کفار کا زبردست ریلا آ گیا تھا۔ جب ابوسفیان، آنحضرت صلعم کی فوج کا حال دریافت کرتا تھا تو وہ انہی تین حضرات (آنحضرتؐ اور صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ) کے نام لیتا تھا کیونکہ وہ انہی تین حضرات سے خوفزدہ تھا۔ حدیث البراء سے واضح ہے کہ جب ابوسفیان نے پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ کیا تم میں محمدؐ موجود ہیں؟ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا "جواب مت دو" اس کے بعد اس نے پکارا کیا تم میں ابن ابی قحافہ زندہ (موجود) ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا خاموش رہو۔ اس کے بعد اس نے پکارا کیا تم میں ابن الخطاب موجود ہیں؟ آپؐ نے فرمایا خاموش رہو۔ اس پر اس نے باآواز بلند کہا بلاشبہ یہ سب لوگ قتل ہو گئے ورنہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ اس پر فاروق اعظمؓ ضبط نہ کر سکے اور باآواز بلند کہا "اے اللہ کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تجھے ذلیل ہونے کے لئے زندہ رکھے" (اخرجہ البخاری) اور جب آنحضرت صلعم اہل اُحد کے تعاقب کی طرف متوجہ ہوئے تو صدیق اکبرؓ اس وقت آپؐ کے ساتھ تھے اللہ فرماتا ہے "الذین استجابوا للہ والرسول الخ" (عائشہؓ) نے اس آیہ کے بارہ میں فرمایا کہ اے میری بہن (اسماء) کے بیٹے! تیرے دونوں بزرگ (زبیر اور ابوبکرؓ = زبیرؓ باپ تھے اور ابوبکرؓ نانا تھے) اُن لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسولؐ کی آواز پر لبیک کہا تھا۔ جب پہنچا آپؐ کو جو کچھ پہنچا احد کے دن تو مشرک

آپؐ سے دُور چلے گئے مگر آپؐ کو خیال ہوا مبادا وہ واپس آجائیں اور حملہ کر دیں اس لئے آپؐ نے کہا "کون ان مشرکوں کا تعاقب کرے گا؟ تو ستر مسلمان اس کام کے لئے تیار ہوئے اور ان میں ابوبکرؓ اور زبیرؓ بھی تھے (اخرجہ البخاری)

ازاں جملہ یہ کہ غزوۂ خندق میں آنحضرت صلعم نے ایک جگہ حضرت صدیق اکبرؓ کو عطا کی اور آج بھی خندق کے نزدیک مسجد صدیق موجود ہے۔

(۱۳) ازاں جملہ یہ کہ غزوہ بنی مصطلق میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ متہم ہوئیں اور منافقوں نے وہ باتیں کیں جو انہیں ہرگز نہیں کہنا چاہئیں تھیں۔ اس حادثے میں حضرت صدیق سے مآثر جمیلہ متحقق ہوئے۔ حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ "آنحضرت صلعم میرے گھر میں تشریف لائے اور تشہد کے بعد فرمایا "اے عائشہؓ (اگر تجھ سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے) تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں مجھ تک پہنچی ہیں۔ اگر تم اُن سے بری ہو تو یقیناً اللہ تمہاری برأت واضح فرما دے گا اور اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو تم اللہ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ (رجوع) کرو کیونکہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے" فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہؐ یہ کہہ چکے تو یک لخت میرے آنسو خشک ہو گئے ایک قطرہ بھی میری آنکھوں میں باقی نہ رہا۔ اس کے بعد میں نے اپنے باپ سے کہا "آپؓ میری طرف سے رسول اللہؐ کو جواب دیں۔ اس پر میرے باپ نے کہا "واللہ! میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ سے کیا کہوں"

(اخرجہ البخاری) نیز ام المؤمنینؓ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ واللہ! آئندہ میں مسطح بن اثاثہ کی کوئی مالی امداد نہیں کروں گا (صدیق اکبرؓ قرابت داری کی وجہ سے مسطح کی مالی امداد کیا کرتے تھے) تو اس بات کے کہنے کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوئی "وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ (۲۴، ۲۲)

الخ اور تم میں سے جو لوگ بزرگ منش اور صاحب مقدور ہیں وہ اپنے قرابت داروں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو خرچ نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں الخ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا واللہ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اللہ میری مغفرت فرمائے لہذا میں مسطح کا وظیفہ دوبارہ جاری کر دوں گا (اخرجہ البخاری)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ اے ابو بکرؓ! تجھ کو بزرگی دی گئی، اللہ کی معرفت دی گئی اور صلہ رحمی کی صفت دی گئی اور تجھے وسعتِ مال دی گئی پس تو مسطح پر مہربانی کر کیونکہ وہ تیرا رشتہ دار بھی ہے اور مہاجر بھی ہے اور وہ مفلس بھی ہے۔

(۱۴) ازاں جملہ یہ کہ غزوۂ حدیبیہ میں مآثرِ جمیلہ، حضرت صدیق اکبرؓ سے ظاہر ہوئے۔ جب صلحنامہ لکھا جا رہا تھا تو عروہ (مشرک) نے صدیق اکبرؓ سے کہا کہ "تمہارے صاحب (مراد ہے آنحضرتؐ سے) نے، تمہاری قوم کا معاملہ بالکل بگاڑ کر رکھ دیا ہے کیا تم نے قبل ازیں کسی شخص کے متعلق یہ سنا کہ اس نے اپنی قوم کی بیخکنی کر دی ہو؟ بیشک میں دیکھتا ہوں کہ اکثر افرادِ قوم تمہارے صاحب سے برگشتہ ہو جائیں گے اور تمہیں اس خرابی کا ذمہ دار قرار دیں گے" یہ سُن کر حضرت صدیق اکبرؓ کو یارائے ضبط نہ رہا۔ (کیونکہ عاشق اپنے معشوق کی توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتا) اور ان کی زبان سے بہت سخت جملہ نکل گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ ہم آنحضرت صلعم کو تنہا چھوڑ دیں گے؟

حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "کیا آپؐ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "بیشک ہوں"۔ پھر میں نے کہا "کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا "بیشک ہیں"، تو میں نے کہا پھر ہم ان سے دب کر صلح کیوں کریں؟ آپؐ نے کہا "میں بلاشبہ اللہ کا رسول ہوں اور میں نے صلح کرنے میں اسکی نافرمانی نہیں کی ہے اور وہ میرا مددگار ہے۔ اس پر میں نے کہا" کیا آپؐ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں مگر میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم اسی سال ایسا کریں گے" یہ سن کر میں حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا "کیا آنحضرت صلعم اللہ کے نبی نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا بیشک وہ اللہ کے نبی ہیں۔ اس پر میں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم حق پر ہیں۔ تو میں نے کہا پھر ہم ان سے دب کر صلح کیوں کریں؟ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا "اے شخص! وہ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور کبھی اپنے رب کی نافرمانی نہیں کریں گے اور اللہ انکا مددگار ہے۔ پس تم اپنے خیال سے باز آجاؤ اور ان کے فیصلے کو تسلیم کر لو کیونکہ وہ حق پر ہیں۔ اس پر میں نے کہا کیا آپؐ نے یہ نہیں کہا تھا

کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے ؟ صدیق اکبر نے کہا مگر یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھے اپنی اس گفتگو پر بہت پشیمانی ہوئی اور میں نے اس جسارت کا کفارہ ادا کرنے کا اہتمام کیا (اخرجہ البخاری)

(۱۵) ازاں جملہ یہ کہ فتح خیبر میں حضورؐ کے ساتھ شریک کارزار رہے حاکم نے مستدرک میں روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو علم عنایت فرمایا اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ قتال کیا اور دشمن کو مار بھگایا (اخرجہ الحاکم)

(۱۶) ازاں جملہ یہ ہے کہ سریۂ بنی فزارہ میں آنحضرت صلعم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ سلمہ ابن اکوع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا کہ بنو فزارہ پر چڑھائی کرو۔ پس جب ہم چشمے کے قریب پہنچے تو صدیق اکبرؓ نے شب باشی کا حکم دیا۔ اور جب ہم نے نماز فجر ادا کر لی تو صدیق اکبرؓ کے حکم سے ہم نے قبل طلوع آفتاب حملہ کیا۔ پس جب ہم پانی کے چشمے پر پہنچے تو ہم نے دشمن کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور بہت سے آدمیوں کو قیدی بنایا اور انہیں ساتھ لے کر مدینے آئے ان میں ایک عورت قبیلہ بنی فزارہ کی تھی جس کے جسم کی جلد بہت خشک تھی اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو عرب کی حسین ترین عورتوں میں سے تھی۔ جب ہم مدینے آئے تو میں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ ہم نے اس عورت کو عریاں نہیں کیا ہے کیونکہ ہم اسے آپ کی خدمت پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے اس عورت کو مکے روانہ کیا کیونکہ اسکے رشتے دار وہاں تھے اور آپؐ نے اس کے بدلے میں بہت سے مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔

(۱۷) ازاں جملہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے قبل ابوسفیان مدینے آئے اور حضرت صدیق اکبرؓ سے کہا کہ عہد صلح کا اعادہ کر لیا جائے۔ محمد بن اسحاق راوی ہے کہ ابوسفیان سب سے پہلے آنحضرت صلعم کی خدمت میں آئے۔ اور اعادۂ صلح کی خواہش کی لیکن آپؐ نے ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں آئے اور اُن سے کہا کہ آپ آنحضرت صلعم سے اس معاملے میں گفتگو کریں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں آئے مگر انہوں نے بھی کہا کہ اگر میں تمہارے اندر ایک کمزور چیونٹی کی برابر طاقت پاتا تو بھی جہاد کرتا۔

محمد ابن اسحاق نے کہا کہ جب رسول اللہ صلعم مکے میں فاتحانہ داخل ہو گئے تو حرم کعبہ میں آئے وہاں حضرت ابوبکرؓ اپنے باپ کو لائے تو آپؐ نے صدیقؓ سے فرمایا "تم نے ان شیخ کو گھر ہی میں کیوں نہ رکھا تاکہ میں خود چل کر ان کے پاس جاتا" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ مناسب یہی تھا کہ یہ خود چل کر آپؐ کے پاس آتے۔ پس آپؐ نے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور اُن کے سینے پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ پھر ان سے کہا "تم اسلام قبول کر لو" انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے "حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ (۴۶ - ۱۵) یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچا چالیس برس کو تو کہنے لگا "اے میرے رب! میری قسمت میں کر کہ شکر کروں تیرے احسانوں کا جو تو نے مجھ پر کئے ہیں اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام، جن سے تو راضی ہو اور مجھے نیک اولاد عطا کر۔"

حضرت ابوبکرؓ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کی چار پشتیں ان کی زندگی ہی میں مشرف باسلام ہوئیں (۱) اُن کے والدین (۲) وہ خود اور ان کی زوجۂ محترمہ۔ (۳) ان کے فرزند (۴) اُن کے پوتے۔

موسیٰ ابن عقبہ راوی ہیں کہ نہیں پایا کسی شخص کی چار پشتوں نے آنحضرت صلعم کو مگر حضرت ابوبکرؓ نے اس طرح کہ (۱) ابوقحافہ (۲) ابوبکرؓ (۳) عبدالرحمٰن ابن ابی بکرؓ (۴) ابوعتیق بن عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ یہ سب صدیق اکبرؓ کی زندگی ہی میں مشرف باسلام ہوئے۔ اس خصوصیت میں بھی کوئی صحابی حضرت ابوبکرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم عام الفتح میں داخل ہوئے یعنی جب شہر شروع ہوا تو آپؐ نے دیکھا کہ مدینے کی عورتیں گھوڑوں کے چہروں کو اوڑھنیوں سے صاف کر رہی ہیں یہ دیکھ کر آپؐ مسکرائے اور مسکرا کر حضرت ابوبکرؓ کی طرف دیکھا اور کہا اے ابوبکرؓ! اس ضمن میں حسان ابن ثابت نے کیا شعر کہے ہیں؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ دو شعر پڑھے:-

میں اپنی بیٹی کو گم کر دوں (عربوں کا محاورہ ہے) اگر میرے اونٹ مکے میں اپنے دونوں جانب غبار اڑاتے ہوئے نہ آئیں۔ اور قبیلے کی عورتیں آپس میں اُن کے بارے میں منازعت کناں ہوں اور اُن کے چہروں کو عورتیں اپنی اوڑھنیوں سے صاف کرتی جاتی ہوں۔

پس رسول صلعم نے فرمایا "داخل ہو جس طرح یا اُس طرف سے جس طرف سے حسان نے اشارہ کیا یعنی ثنیۂ کدا کی طرف سے (جنگ) غزوۂ حنین کے سلسلے میں ابو قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص دشمن کے کسی شخص کو قتل کر دے گا تو مقتول کے سامان (لباس اور ہتھیار) کا مالک ہوگا تو میں نے ایک مشرک (کافر) کو قتل کیا اور اب میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی شخص مل جائے تو میں اسے بطور گواہ پیش کر سکوں لیکن مجھے کوئی شخص نہ مل سکا۔ میں رسول اللہؐ کے پاس بیٹھا تھا جب مجھے اس بات کا خیال آیا اور میں نے رسول اللہ صلعم سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو ایک شخص جو مجمع میں موجود تھا کہہ اٹھا اور کہنے لگا کہ اس مقتول کے ہتھیار کا میں مستحق ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ آپؐ اسے ایک خرگوش بھی نہ دیں کیوں کہ اس نے جہاد ہی نہیں کیا پس رسول اللہ صلعم کھڑے ہوئے اور اس مال کو فروخت کرنے کا اعلان فرمایا۔ بس میں نے اس مال میں سے کچھ خریدا اور یہ میری زندگی میں پہلا مال تھا جو میں نے جمع کیا (اخرجہ البخاری)

ابن اسحاق راوی ہے کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت صلعم نے صدیق اکبرؓ سے اپنا خواب بیان کیا جبکہ آپؐ طائف کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، کہ اے ابابکرؓ! میں نے خواب دیکھا کہ کسی نے مجھے بالائی سے لبریز پیالہ پیش کیا ہے مگر ایک مرغ نے اس میں ٹھونگ ماردی اور بالائی گر گئی۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا میں یقین کرتا ہوں بنی ثقیف کے خلاف اس مہم میں کامیاب ہونگے یہ سن کر آپؐ نے فرمایا "میرا بھی یہی خیال ہے" (چنانچہ آپؐ نے محاصرہ اٹھا لیا)

(۱۹) ازاں جملہ یہ ہے کہ جب غزوہ تبوک واقع ہوا تو آنحضرت صلعم کو ترغیب دی کہ فوج کے لئے سامانِ جنگ مہیا کریں اس سلسلے میں اللہ تعالےٰ نے صدیق اکبرؓ کو نصیب اوفیٰ عطا فرمایا یعنی انہوں نے تہیۂ ساز و سامان میں سب صحابہؓ سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اسلم راوی ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آج میں ایثار اور بذل مال میں

ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤنگا۔ چنانچہ میں نصف مال لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے پوچھا "تم نے اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے" میں نے کہا نصف

بولے کہ نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

میرے بعد ابوبکرؓ اپنا سارا مال و متاع و اثاث البیت لے کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضورؐ نے اُن سے بھی یہی سوال کیا کہ تم نے اپنے عیال کے لئے کیا چھوڑا؟ تو انہوں نے جواب دیا "میں نے اپنے عیال کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے"

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسول بس

(۲۰) ازاں جملہ یہ ہے کہ ۹ھ میں آنحضرت صلعم نے صدیق اکبرؓ کو امیر الحج مقرر فرمایا۔ اور وہ تاریخ میں سب سے پہلے شخص ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔ اس جگہ (اس معاملے میں) بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے کہ آپؐ نے اُن کے بعد حضرت علیؓ کو بھیج کر انہیں اس عہدے سے معزول کر دیا۔ حالانکہ بات کچھ اور ہے۔ امیر الحج بلاشبہ صدیق اکبر ہی رہے۔ حضرت علیؓ نے صرف سورۂ برأۃ کی مخصوص آیات کی تلاوت، قریش مکہ کے سامنے، خانہ کعبہ میں، کی تھی۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ میری طرف سے ایک عہد یا معاہدہ تھا اور عربوں کا دستور تھا کہ معاہدے کا اعلان یا مُعاہد خود کرے یا اس کا اہل بیت (قریبی رشتہ دار) اس لئے حضرت علی کو بھیجا گیا کیونکہ وہ آپؐ کے سگے چچا کے بیٹے تھے۔

چنانچہ محمد ابن علی سے روایت ہے کہ جب سُورۂ برأۃ نازل ہوئی تو ابوبکرؓ روانہ ہو چکے تھے، لوگوں نے کہا کہ آپ یہ آیات بھی انہی کو دے دیتے تاکہ وہ ان کو پڑھکر سنا دیتے آپؐ نے فرمایا یہ کام ضابطے کی رو سے میرے رشتہ دار کو کرنا چاہیئے چنانچہ آپؐ نے حضرت علی کو بلایا اور کہا کہ یہ احکام لے کر مکے جاؤ اور قریش کو بآواز بلند سنا دو کہ

ا۔ کوئی کافر جنت میں نہیں داخل ہو سکے گا۔
ب۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔
ج۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کر سکے گا۔
د۔ جس کا آنحضرتؐ سے کوئی معاہدہ ہے تو خاص مدت تک ہے۔

چنانچہ یہ احکام لے کر حضرت علیؓ ایک ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے حتیٰ کہ حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملے۔ انہوں نے پوچھا "تم امیر کی حیثیت سے آئے یا مامور کی؟" حضرت علیؓ نے کہا میں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں۔ چنانچہ دونوں روانہ ہوئے اور حضرت صدیقؓ نے امیر الحج کے فرائض انجام دیئے جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور قریش کو مخاطب کر کے مذکورہ بالا چاروں شرطیں انہیں سنائیں۔

ابن عباس راوی ہیں کہ بیشک رسول اللہؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو بھیجا کہ ان چاروں احکام کا اعلان کر دیں۔ ان کے بعد حضرت علی روانہ ہوئے۔ پس ہم راستے میں تھے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے ناقہ کی آواز سنی وہ سمجھے کہ یہ آنحضرتؐ کی ناقہ ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اس پر علیؓ سوار تھے چنانچہ حضرت علیؓ نے ایام تشریق میں اعلان کیا کہ "اللہ مشرکوں سے بے تعلق ہے اور اس کا رسول بھی۔ پس تم چار مہینے آزادی سے چل پھر سکتے ہو۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف نہیں کر سکے گا۔ اور مومن کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت علیؓ ان احکام کا اعلان بآواز بلند کر رہے تھے۔ پس جب انکا گلا بیٹھ گیا تو ابوہریرہؓ کھڑے ہوئے اور باقی ماندہ احکام کا بآواز بلند اعلان کیا۔ (اخرجہ الحاکم)

(۲۱) ازاں جملہ یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر صدیق اکبرؓ نے آنحضرت صلعم کا ساز و سامان اپنے اونٹ پر رکھا چنانچہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ راوی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ حج کرنے روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ اور آنحضرت صلعم کا زمالہ (شتر بار بردار) ایک ہی تھا۔ جب ہم کوہ عرج کے دامن میں پہنچے اور ہمارا زمالہ حضرت ابوبکرؓ کے غلام کے ساتھ تھا تو بیٹھے رسول اللہ اور تشریف فرما ہوئیں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ایک جانب اور تشریف فرما ہوئے صدیق اکبرؓ حضورؐ کے دوسری جانب اور میں اپنے والد بزرگوار کے پاس بیٹھی تھی۔ تو ہم منتظر تھے کہ سامان والا اونٹ بھی آجائے۔ اتنے میں غلام آیا اور اس نے کہا میری غفلت سے اونٹ گم ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے غلام کو مارنا شروع کیا اور کہا کہ تو بھی ایک فرد تھا اور اونٹ بھی صرف ایک ہی تھا (نہ کہ بہت سے) پھر وہ ایک اونٹ تجھ سے کیسے گم ہو گیا (جس پر میرا اور آنحضرتؐ کا سامان لدا ہوا تھا) یہ منظر دیکھ کر آنحضرت صلعم (اسماءؓ راوی ہیں،

مسکرائے اور حاضرین سے کہنے لگے "ذرا تم ان کی طرف دیکھو! محرم ہو کر یہ کام کر رہے ہیں (یعنی حاجی کو اس وقت اور اس حالت میں بہت نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے)

(اخرجہ الحاکم)

(۲۲) ازاں جملہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلعم مریض ہوئے تو آپؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ پر بہت سی عنایات کیں اور نماز کی امامت (جو اسلام میں سب سے بڑا اعزاز ہے) انہیں تفویض کر دی، اور اس باب میں بہت مبالغہ فرمایا۔ ابن اسحٰق راوی ہے کہ زہری نے کہا کہ مجھ سے ایوب بن بشیر نے کہا کہ آنحضرت صلعم اس حالت میں مسجد میں تشریف لائے کہ آپؐ کے سر مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ اسی حالت میں منبر پر بیٹھے اور سب سے پہلے شہدائے احد پر فاتحہ پڑھی اور ان کے لئے استغفار فرمایا۔ اور ان کے حق میں بہت دعائیں کیں۔ اس کے بعد فرمایا "اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو دنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کو منتخب کر لینے کا اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے (یعنی عالم آخرت) ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ اس تلویح (مخفی اشارے) کا مطلب سمجھ گئے اور بے اختیار رونے لگے۔ اور کہا بلاشبہ ہم اپنی جانیں آپ پر قربان کر سکتے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا اے ابوبکر اپنے دل کو سنبھالو اور ہمت اور حوصلے سے کام لو۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا ان دروازوں کو دیکھو جو مسجد میں کھلتے ہیں۔ ابوبکرؓ کے دروازے کے سوا باقی سب دروازے بند کر دو۔ کیونکہ میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں جو اپنی صحبت اور سنگت کے اعتبار سے میری نگاہ میں ابوبکرؓ سے افضل ہو۔

ابن اسحٰق نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن ابن عبداللہ نے کہا کہ اسی دن آنحضرت صلعم نے یہ بات بھی کہی تھی کہ اگر میں اللہ کے بندوں میں سے کسی کو اپنا خلیل (محب یکرنگ) بناتا، تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن صحبت و رفاقت اور ایمان کا بھائی چارا بالکل کافی ہے یہاں تک کہ اللہ ہمیں (قیامت کے دن) پھر ملا دے۔

ابن شہاب راوی ہیں کہ مجھ سے عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے سن کر یہ کہا کہ جب آنحضرت صلعم پر مرض غالب آگیا اور میں دیگر حضرات کے ساتھ آپؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپؐ نے فرمایا "بلال سے کہو کہ اذان

دیں اور (حضرت) ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں - یہ سنکر میں تعمیلِ ارشاد کیلئے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ موجود ہیں - مگر حضرت ابوبکرؓ غائب ہیں - لہذا میں نے کہا اے عمرؓ آپؓ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوں - یہ سن کر حضرت عمرؓ نماز پڑھانے کے لئے آمادہ ہو گئے اور جب انہوں نے اونچی آواز سے تکبیر کہی تو رسُول اللہ صلعم نے ان کی آواز سن کر پہچان لی - اور یوں بھی حضرت عمرؓ جہیر الصوت تھے - بہرکیف ان کی آواز سُننے کے بعد رسول اللہ صلعم نے دوبارہ فرمایا "ابوبکرؓ کہاں ہیں ؟ (میں نے ان کو نماز پڑھانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ) اللہ اور اس کے مسلمان بندے (دونوں ہی) اس بات کو ناپسند کرتے ہیں بلکہ گوارا نہیں کر سکتے کہ زمین پر ابوبکرؓ زندہ موجود ہوں اور اُن کے بجائے کوئی اور شخص مسلمانوں کا امام بنے - پس آپؐ نے کسی شخص کو بھیجا کہ حضرت ابوبکرؓ کو ڈھونڈ کر لائے چنانچہ جب آں جنابؓ تشریف لائے تو آپؐ نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی -

عبداللہ ابن زمعہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے کہا تجھ پر اللہ کی سنوار ہو اے زمعہ کے بیٹے ! یہ تو نے میرے ساتھ کیا کیا کہ مجھے امامت کے لئے آگے کر دیا - میں تو تیرے اس فعل سے یہی سمجھا تھا کہ تو نے رسُول اللہ صلعم کے حکم سے مجھے امامت کرنے کے لئے کہا ہے - میں نے کہا "بیشک رسول اللہ صلعم نے مجھے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا - مگر جب میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر مسجد میں موجود نہیں ہیں - تو میں نے از خود آپ سے - امامت کے لئے کہدیا - کیونکہ میں بلاشبہ حاضرین میں سے آپ کو سب سے زیادہ مستحقِ امامت یقین کرتا تھا -

جب آنحضرت صلعم نے وفات پائی تو آنحضرت صلعم کی وفات میں اختلاف واقع ہو گیا - لیکن تمام صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ ثابت ترین تھے اور یہ اُن کی شدتِ صحو (ہوشیاری) کی علامت ہے - اور اسی لئے وہ مرتبۂ خلافت وارشاد پر فائز ہوئے - اور اس کے بعد تمام صحابہ نے طوعاً اور رغبتہً حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی - اگرچہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ کے بعد بیعت کی مگر انہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کا اعتراف واضح الفاظ میں کیا ہے اور کہا کہ ہمیں بیعت کرنے میں صرف اس لئے تامل ہوا کہ ہمیں مشورے (سقیفۂ بنی ساعدہ) میں شریک نہیں کیا گیا ورنہ ہمیں آپ کی فضیلت سے انکار نہیں ہے بس اسی لئے

ہمارے دل میں آپ کی طرف سے غبار رشکوہ، تھا۔

(۲۶) اور خلافت کے زمانے میں سب سے بڑا کارنامہ آپ کا، اہل ردت (مرتد قبائل) سے قتال کرنا ہے اور اس باب میں آپؓ سے حیرت انگیز بلکہ محیر العقول عزم وہمت کا اظہار ہوا۔ اللہ نے اپنے کلام مجید کی اس آیت میں ان کی اسی ہمت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

"وَمَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ الخ (۵: ۵۷) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو کوئی پھر جاوے گا تم میں سے اپنے دین سے، پس البتہ لاوے گا اللہ ایک قوم کو کہ پیار کرتا ہے ان کو اور پیار کرتے ہیں وہ اس کو الخ یہ آیت حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ شاہ عبدالقادرؒ نے بھی لکھا ہے۔ کہ یہ آیت اُن کے حق میں بشارت ہے (دیکھو موضح القرآن)

(۲۷) ازاں جملہ یہ کہ آپؓ نے قرآن مجید کو دو دفتیوں کے درمیان جمع فرما دیا۔ اور یہ آپؓ کا قیامت تک سارے مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے۔

(۲۸) ازاں جملہ یہ کہ آپؓ نے شام اور عراق اور ایران کی فتح کا آغاز کیا پہلے عراق اور شام فتح ہوا پھر حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایران فتح ہوگیا۔ اور ان فتوحات نے آئندہ تمام فتوحات کا دروازہ کھولدیا۔

(۲۹) ازاں جملہ یہ کہ آپؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور اس معاملے میں آپؓ کی اصابتِ رائے، آفتاب کی طرح روشن ہے۔

(۳۰) اور سب سے بڑا اعزاز آپؓ کو وفات کے بعد حاصل ہوا جب آپ کو آنحضرتؐ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ سعید ابن المسیب، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلعم ایک کنویں پر شیخینؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، جب حضرت عثمانؓ آئے اور حضورؐ کے سامنے بیٹھ گئے۔ بطریق اشارہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخینؓ کا حضور کے ساتھ مدفون ہونا ایک مکرمت اور عظمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے شیخینؓ کو نوازا۔ یہ کوئی اتفاقی امر نہیں تھا کہ یونہی واقع ہوگیا۔

مرتبۂ صدّیقیت (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

سیرتِ صدیقی رضؓ کے عناصرِ ترکیبی

سورۃ واللّیل کی روشنی میں

حضرات منعم علیہم کے مراتب چہارگانہ کے پس منظر میں مرتبہ صدّیقیت کے تعیّن کے بعد اب آیئے کہ قرآن حکیم ہی سے یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ مقام صدّیقی کے خصائص کیا ہیں یا بالفاظ دیگر سیرت صدّیقی کے عناصر ترکیبی کون سے ہیں۔ الحمدللہ کہ قرآن حکیم میں یہ موضوع ایک ہی مقام پر پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان ہو گیا ہے اور آخری پارے کی چھوٹی سورتوں میں سے ایک ہی سورت کا مطالعہ اگر بنظر غائر کر لیا جائے تو اس موضوع کے جملہ پہلو واضح ہو جاتے ہیں ——— ہماری مراد سورۃ واللّیل سے ہے!

اس سورۃ مبارکہ کے آخری حصے یعنی آیات ۷ تا ۲۱ کے بارے میں تو مفسّرین کا تقریباً اجماع ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئیں ——— چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:-

وَقَدْ ذَكَرَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ بَيْنَهُمَا وَاسِطَةٌ لِيُعْلَمَ اَنَّهُ لَا وَاسِطَةَ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَاَبِي بَكْرٍ۔ (تفسیر کبیر۔ سورۃ والضحیٰ)	متعدد مفسّرین کے نزدیک یہ آیات کوئی فصل نہیں رکھا تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین کوئی فصل نہیں ہے!

چہار سورۂ نور و ظلمت

قرآن حکیم کی سورتوں کے بارے میں یہ حقیقت تو خاصی معروف و معلوم ہے کہ اکثر سورتیں دو دو کے جوڑوں کی صورت میں ہیں۔ گویا "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" کا قاعدۂ کلیہ قرآن حکیم کی سورتوں کے باب میں بھی جاری و ساری ہے۔ بعض مقامات پر تو یہ حقیقت اتنی روشن و بیّن ہے کہ اندھوں کو بھی نظر آجائے۔ بعض دوسرے مقامات پر تو قدرے خفی و مخفی ہے اور کسی قدر غور کرنے ہی سے واضح ہوتی ہے۔

سُورِ قرآنی کے بارے میں ایک خفی تر حقیقت جو گہرے غور و فکر سے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ بعض مقامات پر تین تین سورتوں کے گروپ ہیں۔ جن میں سے دو دو کی حیثیت تو "زوجین" ہی کی ہے۔ تیسری یا تو ان دونوں کے ضمیمے کی حیثیت رکھتی ہے یا وہ دونوں مل کر اس کا تتمہ بنتی ہیں (سورۂ یونس سے سورۂ نور تک گروپ کی تمام سورتوں کی ترتیب اسی طرز پر ہے!) اور بعض دوسرے مقامات پر دو دو متصل جوڑوں نے باہم مل کر نہایت حسین و جمیل "چہار سوروں" کی صورت اختیار کر لی ہے۔ (قرآن مجید کا آخری پارہ تو ان "چہار سوروں" سے تقریباً پُر ہی ہے، طویل سورتوں میں بھی اس کی نہایت درخشاں مثالیں موجود ہیں جیسے مثلاً سورۂ الفرقان سے سورۂ قصص تک اور سورۂ عنکبوت سے سورۂ سجدہ تک!)

آخری پارے کے ان "چہار سوروں" میں سے ایک نہایت اعلیٰ و ارفع اور حد درجہ حسین و جمیل چہار سورہ، سورۂ الشمس، سورۂ اللیل، سورۂ الضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پر مشتمل ہے جسے "چہار سورہ، نور و ظلمت" سے موسوم کیا جا سکتا ہے!

اس "چہار سورے" کا پہلا جوڑا سورۂ الشمس اور سورہ اللیل پر مشتمل ہے

اَلْمُفَسِّرِيْنَ اَنَّ هٰذِهِ	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
الْاٰيَاتِ نَزَلَ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ	تعالےٰ عنہ کی شان میں نازل
الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ	ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں
حَتّٰى اِنَّ بَعْضَهُمْ حَكَى	سے بعض کے نزدیک تو اس
الْاِجْمَاعَ مِنَ الْمُفَسِّرِيْنَ	پر مفسرین کا اجماع ہے!

عَلٰى ذٰلِكَ (ابن کثیر، تفسیر سورۂ واللیل)

اس مضمون کی روایات بھی بکثرت موجود ہیں کہ آیات ۵ تا ۷ یعنی :

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی	(۵)	تو جس نے دیا اور پرہیزگاری اختیار
وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی	(۶)	کی اور تصدیق کی اچھی بات کی تو
فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی	(۷)	ہم اُس کو آسانی سے پہنچا دیں گے (آخری اور کامل) آسانی میں !

کے مصداق بھی حضرت صدیق اکبر ہی ہیں ، رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہُ ۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ پوری سورت ہی مقام صدیقی کی وضاحت اور سیرت صدیقی کے عناصر ترکیبی کی تفصیل پر مشتمل ہے اور اس میں تصویر کا دوسرا رُخ صرف ضمنی طور پر اس قاعدہ کلیہ کے تحت دکھا دیا گیا ہے کہ " تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا " کسی شے کی معرفت کے حصول کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اس کے ضد اور مُقابل کی معرفت حاصل کر لی جائے ——— گویا یہ سورۃ مبارکہ اصلاً سورۃ صدیقیت ہے ! اکابر مفسرین میں سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ اس حقیقت کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں ۔ چنانچہ سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں وہ ارشاد فرماتے ہیں :

سُوْرَۃُ وَاللَّیْلِ سُوْرَۃُ اَبِیْ بَکْرٍ	سورۃ واللیل حضرت ابوبکر کی سورت
وَسُوْرَۃُ وَالضُّحٰی سُوْرَۃُ	ہے اور سورۃ والضحیٰ نبی اکرم
مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ	صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے
السَّلَامُ ثُمَّ مَا جَعَلَ	اور (اللہ نے) ان دونوں کے مابین

اور دوسرا سورۃ والضحیٰ اور الم نشرح پر ۔ اور یہ حقیقت بادنیٰ تامل نظر آجاتی ہے کہ جب کہ پہلی دونوں سورتیں مطالع اور عمود دونوں کے اعتبار سے مستقل اور مکمل سورتوں کی حیثیت رکھتی ہیں وہاں مؤخر الذکر جوڑے کی دوسری سورت پہلی کے ساتھ اس طرح مربوط اور مسلسل ہے کہ بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ کہ ایک ہی سورت کے اجزا ہوں ۔ چنانچہ تابعین کرام میں سے حضرت طاؤس اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ یہ دونوں حضرات سورۃ والضحیٰ اور سورۃ الم نشرح کو نماز کی ایک ہی رکعت میں بغیر کسی فصل کے پڑھتے تھے ! گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ چہار سورہ مضمون کے اعتبار

سے تین اجزاء پر منقسم ہے چنانچہ اس کا جزو اوّل سورۂ والشمس پر مشتمل ہے۔ جزو ثانی سورۂ واللّیل پر اور جزو ثالث سورۂ والضحیٰ اور سورۂ الم نشرح پر! حاصل کلام یہ کہ اس چہار سورۂ نور و ظلمت، میں سورۂ واللّیل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے!

ان تینوں اجزاء کے بارے میں ایک حقیقت تو اظہر من الشمس ہے یعنی یہ کہ تینوں کا آغاز قسموں سے ہوتا ہے ان قسموں میں اضداد کے جوڑوں کی شہادت قدرِ مشترک ہے اور ان اضداد میں سے بھی خصوصاً ایک جوڑا یعنی نور و ظلمت تینوں میں مشترک ہے۔

ایک دوسری لطیف تر حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں اجزاء میں مقسم بہ تدریجاً سکڑتا اور سمٹتا چلا گیا ہے جبکہ مُقسم علیہ ایک کلی کے مانند کھلتا کھلتا اور تدریجاً ترقی کرتا چلا گیا ہے۔

چنانچہ سورۂ والشمس میں چار متضاد جوڑوں کی شہادت پیش کرنے کے بعد جن میں سے تین آفاقی ہیں یعنی شمس و قمر، لیل و نہار اور ارض و سماء اور ایک انفسی ہے یعنی امتیاز فجور و تقویٰ، مُقسم علیہ کو صرف دو جملوں میں سمیٹ لیا گیا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

یعنی کامیاب و کامران ہو گیا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور ناکام و نامراد اور خائب و خاسر رہ گیا وہ جس نے اپنے نفسِ ناطقہ کو اپنے وجودِ حیوانی کے تودۂ خاک میں دبا کر گویا زندہ درگور کر دیا۔

سورہ واللّیل میں شہادت میں صرف دو جوڑے پیش کیے گئے۔ ایک آفاقی یعنی رات اور اس کی ظلمت اور دن اور اس کی روشنی اور دوسرا انفسی یعنی تقسیم نر و مادہ۔ اور مُقسم علیہ کو اوّلاً ایک آیت میں بیان کر کے یعنی اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى (یقیناً تمہاری سعی و جہد کے نتائج بھی مختلف ہیں!) اس کی مفصّل تشریح و توضیح چھ نہایت جامع آیات میں کر دی ——— یعنی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ جو گویا شرح و تفسیر ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کی اور وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ جو گویا تفسیر و تفصیل ہے۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کی۔

آخری جزو میں مُقسم بہ تو مزید سمٹ گیا۔ چنانچہ سورۂ والضحیٰ میں اضداد کے

جوڑوں میں سے صرف ایک کی شہادت پیش کی گئی یعنی دن اور اس کی روشنی اور سرگرمی اور رات اور اس کی تاریکی اور سکون، اور سورۃ الم نشرح کا آغاز بغیر کسی تمہیدی قسم کے ہو گیا (اگرچہ اس چہار سورے کے مجموعی مزاج کی مناسبت سے سورت کے درمیان میں ازواج متضادہ میں سے عُسر اور یُسر کا ذکر تکرار کر دیا گیا) لیکن مُقسَم علیہ انتہائی بلندی کو پہنچ گیا چنانچہ احوال نبوّت کے بعض اہم گوشے اور ذات نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعض حد درجہ نازک احساسات زیر بحث آئے اور ان کے ضمن میں تسلی بھی دی گئی دلجوئی بھی کی گئی اور چند ہدایات بھی دی گئیں۔

حیرت کی بات ہے کہ اس کے باوجود کہ قرآن مجید کی ان دو سورتوں سے اُمّت کی ایک عظیم اکثریت کو ایک خصوصی قلبی لگاؤ ہے۔ اکثر لوگ ان کے معانی کے باب میں حد درجہ سطحی سے فہم پر قناعت کئے ہوئے ہیں حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے مضامین نہایت رفیع و وقیع بھی ہیں اور حد درجہ غامض اور عمیق بھی! تاہم سرِدست یہ موضوع ہماری بحث سے خارج ہے اور مضمون زیر بحث کی مناسبت سے فی الحقیقت یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ اس وچہار سورہ نور وظلمت، کے پہلے جزو میں ایک مضمون کا آغاز ہوتا ہے، دوسرے میں وہ انسانی کسب کے دائرے کی حد تک مکمل ہو جاتا ہے اس لئے کہ تیسرے میں اس کے وہ پہلو بیان ہوئے ہیں جو مرتبۂ نبوّت سے متعلق ہیں اور نبوّت چونکہ خالص وہبی، ملکہ ہے لہٰذا انسانی کسب کے دائرے سے باہر ہیں۔

الحمد للہ

کہ ڈاکٹر اسرار احمد صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا کتابچہ بعنوان: "نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہمارے تعلّق کی بنیادیں!" جو گذشتہ ماہ پانچ ہزار کی تعداد میں طبع ہوا تھا، ماہ ربیع الاوّل کے دوران ہی ختم ہو گیا۔ اب مکتبے میں اس کے صرف ایک سَو نسخے باقی ہیں۔

مینجر مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

(بقیہ نظامِ محاصل از صـ۳۲)

کی ہے اور ان کی شرح وقتاً فوقتاً تبدیل کی جاسکتی ہے جیسے بھی ضرورت داعی ہو ۔ اسی طرح ان کے حاصل شدہ آمدنی کے صرف پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ یہ انتظام مملکت کے اخراجات اور رفاہ عامہ، عمومی فلاح و بہبود اور PUBLIC WORKS سب پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ ایک رائے یہ ہے کہ ضرائب اور عشور میں سے بھی جو رقوم مسلمانوں سے حاصل ہوں گی ان کی مدّاتِ صرف بھی صرف وہی ہوں گی جو زکوٰۃ، عشر اور صدقات کی ہیں۔

اس تفصیل سے ایک جانب تو وہ حقیقت بالکل مبرہن ہوگئی جو پہلے عرض کی جاچکی ہے یعنی یہ کہ اسلامی نظم مملکت میں TAXATION کے اعتبار سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین بڑا بنیادی فرق ہے اور یہ فرق فطری بھی ہے اور عقلی و منطقی بھی اس لیے کہ ایک غیر مسلم کے لیے اسلامی حکومت بس ایک امن و امان اور نظم و نسق قائم رکھنے والے ادارے کی حیثیت رکھتی ہے اور بس! جبکہ ایک مسلمان کے نزدیک اسلامی حکومت زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندہ ہوتی ہے اور اس کا مقصد صرف دنیوی فلاح و بہبود ہی نہیں ہوتا اخروی فوز و فلاح بھی ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قائم ہی ہوتی ہے . نظریۂ اسلامی کی ترویج و اشاعت اور دنیا میں اسلام کی تبلیغ اور غلبۂ و اقامت کے لیے۔ اس لیے اس کی خیرخواہی و وفاداری اور اس کا بقاء و استحکام مسلمان کے عین دین و مذہب کا تقاضا ہے ۔ چنانچہ وہ اس کو اپنی کمائی یا اللہ کے فضل میں سے جو کچھ دیتا ہے اسے عبادت سمجھ کر دیتا ہے۔ اس کے اس تصور کو مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس حقیقت سے کہ ان کی فرضیت اور شرح ادائیگی اللہ اور اس کے رسُول کی طرف سے ہیں، حکومت وقت صرف جمع کرنے والی یعنی COLLECTOR اور تقسیم کرنے والی یعنی DISTRIBUTOR ہے نہ کہ عاید کرنے والی اور عدم ادائیگی یا ادائیگی میں کتمان و فریب صرف قانون کی خلاف ورزی ہی نہیں ہے بلکہ گناہ اور معصیت ہے جس کا وبال ابدی اخروی زندگی میں بھگتنا پڑے گا۔

دوسری حقیقت یہ بھی واضح ہوگئی کہ مسلمان شہریوں سے اسلامی حکومت کو جو کچھ وصول ہو اس میں سے اکثر کا اوّلین مصرف اس خلیج کو پاٹنا ہے جو اسلام کے قانونی و فقہی نظام میں موجود آزاد معیشت کا لازمی نتیجہ ہے خواہ وہ کم ہو یا بیش!

تیسری اہم حقیقت جو دنیا کے دوسرے اکثر نظام مالیے TAXATION سے مختلف ہے۔ وہ یہ کہ اسلام کا غالب رجحان یہ ہے کہ TAX کے لیے اساس و بنیاد نہ فرد بحیثیت فرد ہو جس پر POLL یا CAPITATION TAX عاید کیا جاتا ہے، نہ آمدنی ہو جس پر INCOME TAX کی بنیاد ہے، نہ وسعتِ خرچ یا CAPACITY TO SPEND ہو بلکہ کُل پیداوار یا ملکیت یعنی TOTAL PRODUCE OR POSSESSION ہو۔ جیسا کہ زکوٰۃ یا عشر یا خمس سے ظاہر ہوتا ہے، TAX عاید کرنے کی ان دوسری اساسات کے مقابلے میں اسلام کی اختیار کردہ یہ اساس کن مصلحتوں پر مبنی ہے۔ یہ ایک دقیق فنی مسئلہ ہے؛ تاہم اس ضمن میں ایک کوشش تو سید نزہت بخاری صاحب نے اپنے اس مقالے میں کی ہے جس کا ذکر میں آغاز میں بطور لطیفہ کر چکا ہوں۔ ان کی تحقیق کا لبِ لباب یہ ہے کہ INCOME پر TAX عاید کرنے سے افراطِ زر یا INFLATION کا رجحان بڑھتا ہے جبکہ TOTAL PRODUCE OR POSSESSION پر ٹیکس عاید کرنے سے اس کا قلع قمع ہوتا ہے۔ میں ایک غیر فنی انسان کی حیثیت سے ان کی دلیل کو پورے طور پر سمجھ نہیں پایا؛ تاہم یہ ایک اہم خیال ہے جو ایک واقفِ حال شخص نے ظاہر کیا ہے اس پر توجہ دی جانی چاہیے۔

میرے سامنے ایک عامی کی حیثیت سے اس کی ایک دوسری اور عظیم تر مصلحت آئی ہے اور وہ یہ کہ آمدنی کا صحیح صحیح حساب رکھنا لانا ہے جوئے شیر کا؟ کا مصداق ہے۔ اور اس کے لیے بہت لمبے چوڑے اور ELABORATE/ACCOUNTING کی ضرورت ہے۔ جبکہ اسلام کے نظامِ محاصل میں سے اکثر کے لیے اس کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ بڑے بڑے شراکتی اداروں یا LIMITED COMPANIES کے لیے تو تفصیلی حساب کتاب ویسے بھی ناگزیر ہے تاکہ حصہ داروں کے مابین منافع کی تقسیم منصفانہ ہو سکے اور اگر یہ ادارے اپنے SIZE کے اعتبار سے اس ACCOUNTING پر زرِ کثیر صرف کریں تو کوئی زیادہ بار بھی نہ ہوگا۔ لیکن آبادی کی عظیم اکثریت جو چھوٹے چھوٹے کاروبار لئے بیٹھی ہے اس کے لیے حساب کتاب کا یہ معاملہ خالص دردِ سر بھی ہے اور محض ضیاع بھی۔ یہ معاملہ چھوٹے چھوٹے دوکانداروں ہی کا نہیں ہے۔ ہمارے درمیانی

طبقے کی عظیم اکثریت کا ہے۔ آپ ایک ڈاکٹر کا تصور کریں جو روزانہ اوسطاً سوڈیڑھ سو مریض دیکھتا ہے، اب اگر وہ اپنی آمدنی کا صحیح صحیح حساب رکھنا چاہے اور وہ بھی ـــ ایسا جو انکم ٹیکس آفیسر کے نزدیک 'قابلِ تصدیق' ہو تو اسے ہر مریض کا نام اور اس کو روزانہ دی جانے والی ادویات کی تفصیل کے علاوہ ادویات کی خرید و فروخت کا پورا حساب اور ان کا مکمل سٹاک اکاؤنٹ رکھنا ضروری ہو گا جس کے لئے ایک کلرک اور ایک اکاؤنٹنٹ کی خدمات لازمی ہیں ـــــ اور ان سب پر جو خرچ آئے گا وہ خالص NON — PRODUCTIVE ہو گا۔ وقس علیٰ ذالک۔ اس کے برعکس اسلام کے نظام محاصل میں اس کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص سال کے آخر میں اپنی مالی حالت کا حساب بآسانی کر سکتا ہے اور اس پر زکواۃ ادا کر سکتا ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۰

بقیہ 'عرضِ احوال' از صکہ

کامیاب رہا اور اس سے کرنل (ریٹائرڈ) پروفیسر عبدالقیوم صاحب نے بھی خطاب فرمایا راقم نے اس سے قبل ان کا ذکر بہت سنا تھا، لیکن ملاقات پہلی بار اسی موقع پر ہوئی ؛

راولپنڈی | راولپنڈی میں ایک تقریر سیرت النبیؐ مرکزی جامع مسجد اہلِ حدیث، جامع مسجد روڈ راجہ بازار میں، مغرب تا عشاء ہوئی ؛

جہلم | جہلم میں ایک خطاب جامع مسجد محلہ مستریاں میں ۲۷۔ فروری کو بعد نماز

گوجرانوالہ | گوجرانوالہ میں بھی ایک تقریر مسجد بلال سیٹلائٹ ٹاؤن میں ہوئی۔

پاک پتن | پاک پتن میں غالباً بیرونِ لاہور اس سلسلہ کی آخری تقریر ۵ مارچ کو بعد ظہر بار ایسوسی ایشن کے ہال میں ہوئی۔ ایک چھوٹے سے قصبے کا یہ اجتماع بھی ذوق و شوق اور جوش و خروش کے اعتبار سے یادگار رہے گا ؛

الغرض : یہ ہے لگ بھگ سوا مہینے کی مختصر رُوداد، اللہ تعالیٰ ہماری اِن مساعی کو شرفِ قبول عطا فرمائے ؎ : "گر قبول افتد زہے عز و شرف!" ــــ اب ۱۵ مارچ کے لئے راقم کا فیصلہ تو یہی ہے کہ کہیں لاہور سے باہر نہیں جائے گا، سوائے قرآن کانفرنس میں شمولیت کے، جو ان شاء اللہ ۲۲ تا ۲۴ مارچ کراچی میں ہوگی ــــ ویسے مستقبل کا علم اللہ ہی کے پاس ہے! رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۰ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۰

میثاق

Regd. L. No. 7360.

Monthly MEESAQ Lahore

Volm. 28 | MARCH 1979 | No. 3

ان شاء اللہ العزیز

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام چھٹی سالانہ

قرآن کانفرنس

کراچی

میں بندر روڈ اور گارڈن روڈ کے چوک کے قریب واقع

آئی - بی - اے - آڈیٹوریم

میں ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۹ء منعقد ہوگی۔

جس کے پانچ اجلاس ہوں گے : ۲۲ مارچ کو صرف شام کے وقت اور بقیہ دونوں دن صبح و شام - مفصل پروگرام انجمن کے کراچی آفس ہی سے جاری ہو گا -

کراچی آفس کا پتہ :

کمرہ نمبر ۱۴۴ - سنی پلازا - مولانا حسرت موہانی روڈ - کراچی

ناظم دفتر و ناظم قرآن کانفرنس قاضی عبدالقادر صاحب سے رابطہ کا فون نمبر :

علی الصبح و بعد عشاء : 613377 - دوران اوقات دفتر 514193 - 513561

المعلن : محمد بشیر ملک ، ناظم اعلیٰ ، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور